اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الشاہ امام احمد رضا خان قادری بریلوی قدس سرہٗ کے افکار کا حقیقی و تحقیقی ترجمان

ماہنامہ جہانِ رضا لاہور

بانی مجلس رضا: حکیم اہلسنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

بانی ماہنامہ: حضرت پیرزادہ اقبال احمد فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

ایڈیٹر: محمد منیر رضا قادری رضوی عفی عنہ

جلد ۲۴ ر دسمبر ۲۰۱۶ء / ربیع الاوّل ۱۴۳۸ھ شمارہ ۲۳۳

قیمت فی شمارہ: -/30 روپے سالانہ چندہ -/400 روپے

مرکزی مجلس رضا

خط و کتابت اور ترسیل زر اور ملنے کا پتا:

مسلم کتابوی، گنج بخش روڈ، دربار مارکیٹ لاہور

Email:muslimkitabevi@gmail.com, 042-37225605, 0321-4477511

ملنے کا پتا: مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ، لاہور 0333-4701081

نورانیتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا محمد اکبر حسین قریشی الہاشمی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ رَحْمَةٌ لِّلْعَالَمِیْنَ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِ نِ الَّذِیْ ارسلَ اِلَی الْعَالَمِیْنَ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ ۔ اَمَّا بَعْدُ ۔

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِکَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی قَدْ جَآءَ کُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ کِتَابٌ مُّبِیْنٌ ۔

ترجمہ: تحقیق تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور روشن کتاب آئی۔

یہ مبارک آیہ ہمارے آقا و مولا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہمارے رب کریم نے نازل فرمائی۔ اس آیہ کریمہ کے اندر دونوں چیزیں بیان فرمائیں۔ ایک نور اور دوسرا قرآن پاک جو کتاب مبین ہے۔ انسان کی سعادت کا دارومدار ان دو چیزوں پر رکھا ہوا ہے۔ اب غور کرنا ہے کہ ''نور'' سے مراد کون ہے۔ نور سے مراد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آج کل برائے نام مسلمان نور ماننے سے انکار کرتے ہیں جو کہ حقیقت سرکار ہے۔

اب میں اپنے اس قول کی تائید میں مندرجہ ذیل دلائل شروع کرتا ہوں لیکن اس کے ساتھ ہی گزارش کرتا ہوں کہ دل کو ہر قسم کے میل کچیل سے کدورت وغیرہ سے پاک کر کے حق بات کو قبول کرنے میں تامل نہ کریں۔ حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کہ آپ سے

بڑھ کر امت میں کوئی مفسر نہ ہوا ان کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص دعا تھی۔ فرماتے ہیں: قَدْ جَآءَ کُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم

(تفسیر ابن عباس ص ۲۷)

ترجمہ: (۱) بے شک آیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲) حضرت علامہ ابو جعفر محمد بن جریر الطبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قَدْ جَآءَ کُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْر یعنی بِالنُّوْرِ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الَّذِیْ اَنَارَ اللّٰهُ بِهِ الْحَقَّ وَاَظْهَرَ بِهِ الْاِسْلَامَ ۔ وَمُحَقَ بِهِ الشِّرْكُ

(تفسیر ابن جریر)

تحقیق آیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ اللہ تعالیٰ اس نور سے حق کو روشن اور اسلام کو ظاہر فرمایا اور شرک کو مٹایا۔

(۳) حضرت علامہ ابو جعفر محمد بن جریر الطبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قَدْ جَآءَ کُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ یعنی مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا اَسْمَاءَ اللّٰهُ نُوْرًا لِاَنَّهٗ یَهْتَدِیْ بِهٖ کَمَا یَهْتَدٰی بِا النُّوْرِ فِی الْکَلَامِ ۔

(تفسیر خازن ج ا ص ۴۱۷)

تحقیق آیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام نور اس لئے رکھا کہ آپ کی نورانیت سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔ جیسا کہ تاریکیوں میں نور سے راہ پائی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے ہمارے اسلاف نے اس مذکورہ آیت کا مطلب خوب سمجھا۔ دنیا جب کفر کی اندھیری گھٹاؤں میں گم ہو چکی تھی۔ نیک بختوں کو راستہ دکھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اور اپنے بندوں پر بڑی مہربانی اور بے انتہا کرم فرما دیا جو لوگ صاحب بصیرت تھے فوراً پہچان گئے اور نور مجسم کی نورانی شعاعوں کے سہارے کامیابی کا راستہ تلاش کر لیا۔ لیکن ازلی محروم اور ظلمت پرستوں نے اللہ کا نور نہ پہچانا اور اپنے جیسا سمجھ کر اب تک اندھیرے غاروں میں بھٹک رہے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کا قول قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وَمَا لِهٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْکُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی

الْاَسْوَاقِ ط

ترجمہ: یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے۔
مشرک یہ خیال کرتے تھے کہ رسول ایسا ہوتا کہ کھانا اور دنیوی کاروبار نہ کرتا اور ظلمت پرستوں نے سمجھا کہ جب کھانا کھاتا اور بازاروں میں چلتا تھا تو ہمارے ہی جیسا تھا۔لہٰذا یہ دونوں فریق گمراہ ہوئے۔
اسی مذکورہ زیرِ بحث آیہ کریمہ کی مزید تفسیریں تفسیر مدارک درمنثور جلالین وغیرہ میں دیکھیں۔

شاید آپ خیال کریں کہ یہی آیہ کریمہ نور کے متعلق تھی اور یہی دلائل جو کہ تفاسیر سے بیان ہوئے ہیں اب ذیل میں ایک حدیث شریف کہ مکمل نورانیت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دلیل ہے۔عرض کرتا ہوں۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قلت یا رسول اللہ بابی انت و امی اخبرنی عن اول شئی خلقه اللہ تعالی قبل الاشیاءِ قال یا جابر ان اللہ تعالی قد خلق قبل الاشیاء نور نبیك من نوره فجعل ذالك النوريد ور بالقدره حيث شاء اللہ ولم يكن فى ذالك الوقت لوح ولا قلم ولا جنت ولا نارٌ ولا ملك ولا سماء ولارض ولا شمس ولا قمر ولا جنى ولا انسى فلما اراد اللہ ان يخلق الخلق قسم ذالك النور اربعته اجزاء الاول القلم من الثانى اللوح ومن الثالث العرش ثم قسم اجو الوابع اربعة اجزاع فخلق من الاوّل حَمَلَتَ الْعَرْش وَمَن الثانى الكرسى ومن الثالث باقى الملٰئكة ثَمَّ قسم الرابع اربعته اجزاء فخلق من الاول السموات ومن الثانى الارضين ومن الثالث الجنة والنار ثم قسم الرابع اربعة اجزا فخلق من الاول نور ابصارهم ومن الثانى نور قلوبهم وهى المعرفة با اللہ ومن الثالث نور النسهم وهو التوحيد لا اله الا اللہ محمد رسول اللہ

(مواہب الدنیا، زرقانی ص۴۶)

ترجمہ: (۱) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھ کو خبر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے کس چیز کو پیدا فرمایا؟ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جابر! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں سے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا پھر وہ نور قدرت الٰہیہ سے جہاں اللہ نے چاہا سیر کرتا رہا۔اس وقت نہ لوح نہ قلم، نہ جنت نہ فرشتہ، نہ آسمان نہ زمین، نور سورج نہ چاند، نہ انس کچھ بھی نہ تھا۔جب اللہ تعالیٰ نے اور مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور کے چار حصے کئے۔پہلے حصے سے قلم دوسرے سے لوح محفوظ، تیسرے سے عرش پیدا کئے اور چوتھے حصے کے پھر چار حصے کردیئے پہلے حصے سے حاملین عرش دوسرے سے کرسی تیسرے سے باقی سب فرشتے پیدا کئے اور چوتھے حصے کے پھر چار حصے کردیئے پہلے حصے سے آسمان (ساتوں) دوسرے سے (ساتوں) زمینیں، تیسرے سے جنت و دوزخ پیدا کئے۔اور چوتھے حصے کے پھر چار حصے کردیئے۔پہلے حصے سے (مومنوں کی آنکھوں کا نور) دوسرے سے ان کے دلوں کا نور جس سے وہ اللہ کی معرفت حاصل کرتے ہیں۔تیسرے سے ان کے انس ومحبت کا نور اور وہ توحید ہے۔لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

اس حدیث پاک سے بخوبی معلوم ہوا کہ اول اللہ تعالیٰ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نور پاک کو اپنے نور سے پیدا فرمایا۔نیز معلوم ہوا کہ تمام کائنات نورانی آقا کے نورانی جلوؤں کا اثر ہے۔متاخرین میں محقق علی الاطلاق حضرت شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مدارج النبوت میں فرماتے ہیں۔حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اَنَا مِنْ نُّوْرِ اللّٰہِ وَالْخَلْقَ کُلُّھُمْ مِّنْ نُّوْرِہٖ ۔
میں اللہ کے نور سے ہوں اور تمام مخلوق میرے نور سے ہے۔

ہمارا یہ ایمان ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نور ہیں اور انسانی جامے میں تشریف لائے۔اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔اگر کائنات کی ابتداء سرکار دو عالم کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرما کر کی تو اس میں کوئی شک وشبہہ کی بات نہیں وہ جو چاہے کرسکتا ہے۔

بندے کا کام سر جھکا دینا ہے۔ یہ مقام چون و چرا نہیں۔ انسان خاک سے پیدا ہوا۔ آخر خاک بھی تو کسی چیز سے بنی ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ اگر اپنی قدرت سے کسی چیز کو پیدا کرے تو اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز ماننے سے کبھی بھی شرک لازم نہیں آسکتا۔ نہ ہی کوئی یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نور سے جدا ٹکڑا ہے۔ حضور کو نور ماننا یہ عین الایمان ہے، شرک بالکل نہیں ہوسکتا۔

اعتراض

مذکورہ حدیث شریف میں ظاہر ہے کہ حضور نور ہیں اور تمام کائنات آپ کے نور سے پیدا کی گئی ہے اور نور خود روشن اور اوروں کو روشن کرنے والا ہوتا ہے اس طرح تمام چیزیں روشن نورانی ہوئیں مگر ایسا نہیں۔ آسمان، زمین، پتھر، کوئلہ و دیگر کتنی ایسی چیزیں ہیں کہ نور سے کوئی مشابہت نہیں۔

جواب

یہ اعتراض واقعی بہت بڑا ہے۔ ناسمجھ انسانوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسی لئے تو فرمایا ہے۔ زمین و آسمان میں غور کرو فکر کرو، قرآن پاک کی رو سے اور ویسے بھی سب کا عقیدہ ہے کہ انسان مٹی سے بنا ہے۔ معلوم ہوا کہ مٹی اصل ہے اور انسان فرع ہے۔ اب آپ مٹی اور انسان کا موازنہ کریں۔ دونوں کے اوصاف کو دیکھیں۔ مٹی بے حس و حرکت ذرات بھی اور ٹھوس بھی، نہ عقل کا مادہ، نہ گوشت و پوست نہ ہڈی، نہ دل و دماغ، انسان میں حس و حرکت، عقل، گوشت و پوست ہڈی دل و دماغ مادہ ادراک موجود ہے۔ اب کیا خیال ہے یا تو انکار یا اقرار کہ انسان مٹی سے بنا ہوا ہے۔ میرے بھائی جب مٹی سے انسان بن سکتا ہے تو مٹی کو اگر نور سے پیدا کیا گیا ہو تو کیا اعتراض ہے؟ اب بلا چون و چرا ایمان دار کو چاہئے کہ حضور کے نور سے تمام مخلوق کا پیدا ہونا اقرار کرلے۔

جواب دوم

پانی دو گیسوں کا مرکب ہے۔ گیس ہوا کے مانند ہے۔ آکسیجن اور ہائیڈروجن گیسوں کے ملنے سے پانی بنتا ہے۔ ہوا اور پانی کی آپس میں کوئی ذرہ بھر بھی مماثلت نہیں۔

عاقل را اشارہ کافی است۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اصل ہیں اور جملہ کائنات فرع ہے۔ اگر کوئی منکر ہو جائے تو معلوم ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا منکر ہے۔ کیا قادر مطلق ایک نور کو اپنے نور سے پیدا کر کے پھر اس سے مختلف چیزیں نہیں بنا سکتا؟ عجیب بات تو یہ ہے کہ اِنَّ اللہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کی تفسیر کرنے والے ظلمت پرست اللہ تعالیٰ کو معاذ اللہ چوری، ڈاکہ، زنا اور جھوٹ پر قادر جانیں مگر اللہ کی قدرت کو اعلیٰ کاموں کی طرف منسوب نہ کریں۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ

اللہ تعالیٰ نے ظلمت پرستوں کے مقتدا مولوی رشید احمد گنگوہی دیوبندی کے ہاتھوں سے لکھوایا اور ہمارے لئے سند قائم کردی۔

وبہ تراتر ثابت شد کہ آنحضرت عالی سایہ نہ داشتند وظاہر است کہ بغیر نور ہمہ اجسام ظل وارند۔ (امداد سلوک ص ۸۵)

درحقیقت نور کا سایہ بے شک نہیں ہوتا مگر خود ہی اقرار خود ہی انکار ڈبل پالیسی اسے ہی کہتے ہیں۔ رشید احمد صاحب نے تو کیا مگر حضرت علامہ قاضی عباس رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب شفا شریف میں لکھا ہے۔

اِنَّہٗ کَانَ لَا ظِلَّ لِشَخْصِہٖ فِیْ شَمْسٍ وَّلَا قَمَرٍ لِاَنَّہٗ کَانَ نُوْرًا

ترجمہ: بلاشبہ آپ کا سایہ نہ دھوپ میں تھا نہ چاندنی میں کیونکہ آپ نور محض تھے۔

واقعی شفا شریف کا یہ نسخہ روحانی امراض کے لئے اکسیر ہے مگر استعمال کرنا شرط ہے۔

ایک اور آیہ کریمہ نور کے ثبوت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ وَیَاْبَی اللّٰہُ اِلَّآ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَہٗ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ○ (پارہ ۱۰، رکوع ۱۱)

ترجمہ: چاہتے ہیں کہ اپنے مونہوں سے اللہ کے نور کو بجھا دیں۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کر کے ہی رہے گا اگر چہ برا مانیں کافر۔

(تفسیر درمنثور ص ۲۳۱) اسی آیہ کریمہ کے متعلق

یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ یَقُوْلُ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّھْلِکُوْا مُحَمَّدًا

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔

ترجمہ: کفار چاہتے ہیں کہ اپنے مونہوں سے اللہ کا نور بجھا دیں۔ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہلاک کر دیں۔

قرآن پاک، احادیث اور تفاسیر سے صراحتہً ثابت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نور ہیں، ہم میں اور ان میں زمین آسمان کی بھی مناسبت نہیں۔ چہ جائیکہ بقول اسماعیل دہلوی صاحب بڑے بھائی ہوں۔ بریں عقل و دانش بباید گریست۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو تمام مومنین کی مائیں قرار دیا تو خود حضور تمام مومنوں کے باپ (روحانی) ہوئے مگر ناخلف اولاد باپ کو باپ کہنے میں عار سمجھتی ہے۔ باپ کو بڑا بھائی قرار دیتی ہے۔ اسماعیل صاحب کی مرضی۔ باپ کو بھائی کہیں۔

قال النبی صلی الله علیه وسلم: لا یومن احدکم حتی اکون احب الله من والده وولده والناس اجمعین ۔

ترجمہ: تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے ماں باپ اولاد اور تمام لوگوں سے محبوب نہ ہو جاؤں۔

تو حضور کا تو درجہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو امانت کے طور پر حضرت آدم علیہ السلام کے صلب شریف میں رکھا۔ پھر یہ نور مبارک اصلاب طاہرہ اور ارحام طیبہ سے منتقل ہوتا ہوا عرب کے اعلیٰ خاندان قریش کے اعلیٰ قبیلہ بنی ہاشم کے بزرگ فرد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کے صلب مبارک سے حضرت سیدہ آمنہ کے سپرد ہوا۔ مدت معینہ کے بعد بشریت کا لباس اوڑھے جنس انسانی سے اس دنیائے فانی میں تشریف فرما ہوا۔ اسی آن دنیائے کفر میں کہرام بپا ہوا۔ کسریٰ ایران کے محل کے چودہ کنگرے گر پڑے۔ آتش کدہ جو کہ ہزاروں سال سے برابر جل رہا تھا یکدم ٹھنڈا ہو گیا۔ کاہن جادوگر نا کام ہو گئے۔ شیاطین کا آسمانوں کی طرف جانا بند ہو گیا۔ کائنات کا ذرہ ذرہ جگمگا اٹھا۔ حضرت سیدہ آمنہ نے پیدائش کے وقت نوری شعاعوں سے شام کے محلات دیکھے۔ خانہ کعبہ خوشی سے جھوم اٹھا اور مقام ابراہیمی پر سجدہ شکر ادا کیا۔ بتوں سے پاک

کرنے والا قانون الٰہی کو جاری کرنے والا پورے اختیارات وسندات کے ساتھ غیوب پر مطلع بڑی آن بان کے ساتھ ۱۲ ربیع الاول کی صبح صادق کو رونق افروز ہوا۔ یہی تو وہ ہستی ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مخصوص لقب "وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ" کے لقب سے نوازا۔ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں اور یہ لقب بھی خاص آپ کے واسطے ہے مگر مقام حیرت ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی فتاویٰ رشیدیہ ص ۹۶ (مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی) پر لکھتے ہیں "لفظ رحمۃ للعالمین صفت خاصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں۔

اعتراض: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نور ہو کر بشر کیسے بن کر آئے؟

جواب:

یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ صرف سمجھنے کی ضرورت ہے۔ احادیث کی کتابوں میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کا شکل انسانی میں کئی دفعہ آنا ثابت ہے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام تو نوری مخلوق سے ہیں۔ پھر یہ دونوں باتیں کیسے ہو گئیں۔ جنات ناری مخلوق ہیں مگر انسانی شکلوں میں آتے ہیں مگر کسی کو انکار نہیں ہوسکتا۔ پھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت پر کیوں اعتراض ہے؟ سنئے جبرائیل علیہ السلام کا یہ حال ہے کہ بشری لباس میں آسمانوں پر نہ جا سکے تھے مگر سرکار دوعالم بشری لباس میں آسمان تو کیا لامکان تک گئے۔ جبرائیل علیہ السلام کی نورانیت سرکار کی نورانیت کا پرتو ہے۔ ہر مومن کا عقیدہ یہ ہونا چاہئے کہ سرکار کی اصل نور ہے اور لباس بشریت میں تشریف لائے دونوں باتوں کا اقرار اگر بشر مانے اور نور نہ مانے یا نور مانے اور بشر نہ مانے تو ایسا شخص گمراہ ہے۔ مگر خیال رہے کہ بشر ماننے میں بھی یہ خیال رہے کہ ان کی بشریت ایسی ہے کہ ان جیسا بشر نہ کوئی ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ پھر ہما شما کس باغ کی مولی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نورانیت کے ساتھ تمام مومنین کے گھروں میں موجود ہیں اور جسمانیت کے ساتھ مدینہ پاک میں اپنی قبر انور شریف میں رونق افروز ہیں جیسا کہ سورج چوتھے آسمان پر ہے مگر اس کی شعاعیں سارے جہان پر چھائی ہوئی ہیں۔ مجھے ایک واقعہ یاد آگیا ملیر کے علاقہ میں ایک ظلمت پرست مولوی نے اعلان کیا تھا کہ اگر کوئی نور

ثابت کردے تو میری ناک کاٹ کر گلے میں جوتیوں کا ہار ڈال کر گدھے پر سوار کرا کے ملیر کے علاقہ میں گھمائیں۔ جب ہمارے محترم مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب نعیمی نے مدلل جواب پیش کیا تو مولوی صاحب فوراً حسبِ عادت اندھیری گھٹاؤں میں چھپ گئے اور اب تک باہر تشریف نہ لائے۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ط مَثَلُ نُوْرِہٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ط اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ط اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ (پارہ ۱۸ رکوع ۵)

ترجمہ: اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا اس کے نور کی مثال مثل ایک طاق کے ہے۔ جس میں ایک چراغ ہو اور چراغ قندیل میں ہو گویا وہ تارا بے چمکتا ہے۔

اس آیہ کریمہ میں صرف نور کا ذکر ہے اور ایک نور کا نہیں بلکہ دو نوروں کا ذکر ہے۔
(۱) نورِ محیط (۲) نورِ محلط۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نور نورِ خداوندی کو محیط نہیں ہوسکتا۔
اللہ تعالیٰ کا نور نورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو محیط ہوسکتا ہے۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ۔ یعنی اللہ ہر شے کو محیط ہے۔ یہ آیہ کریمہ اس امر کی دلیل ہے کہ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ نور مصطفی کو محیط ہوسکتا ہے وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ۔
اللہ تعالیٰ ہر شے کو محیط ہے۔ یہ آیہ کریمہ اس امر کی دلیل ہے کہ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ ۔ نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور مصباح نور ربی ہے جو کہ آپ کے نور کو محیط ہے۔
اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نور پاک کا ذکر فرمایا اس کے متعلق تفاسیر کے ثبوت ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) جاء ابن عباس آبی کعب الاحبار فقال له حدثنی عن قول الله عز و جل الله نور السموات والارض الاية فقال کعب الله نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ط مَثَلُ نُوْرِهٖ مثل محمد صلی الله علیه وسلم كَمِشْكٰوةٍ الله نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (تفسیر ابن جریر)

فرمانِ الٰہی کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کعب احبار سے دریافت

فرمایا تو کعب نے کہا یہ مثل نوح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال ہے۔

(۲) مثل نوره وقيل هو محمد صلى الله عليه وسلم مثل نوره کی شرح بعض نے کی ہے۔ کہ وہ نورِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (تفسیر خازن ج ۵ ص ۶۳)

(۳) (مثل نوره) وقال سعيد بن جبير والضحاك هو محمد صلى الله عليه وسلم (تفسیر معالم التنزیل ج ۵ ص ۶۳)

مثل نورہ کے متعلق سعید بن جبیر اور ضحاک نے کہا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔
میں کہاں تک دلائل دیتا رہوں نور پاک کے دلائل سے تمام بڑی کتب بھری پڑی ہیں مگر اندھوں کو نظر نہ آئے تو اس میں کسی کا کیا قصور ہے۔ حضور کو نور نہ ماننا یہ نفاق اور حسد کی علامت ہے اور کفار ہی برا مانتے ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۔

منکر کا اعتراض

اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نور مانیں تو قرآن کریم کی اس آیت کی رو سے شرک ثابت ہوسکتا ہے۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ۔

ترجمہ: انہوں نے اللہ کے لئے بندوں کو جز بنا دیا ہے۔ بے شک انسان کفر کرنے والا ہے۔

ہمارا جواب

قال اللہ تعالیٰ: اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ (الخ پارہ ۱۰ رکوع ۱)

یہ آیہ کریمہ بیان ہوچکی ہے اور اس کی تفسیریں بھی درج کردی گئیں ہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے نور اللہ فرمایا اور نور اللہ سے مراد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے۔ جیسا کہ ثابت کیا جاچکا ہے کہ حضور اللہ کے نور ہیں۔ اللہ کے نور کا جدا شدہ ٹکڑا تو کوئی بھی نہیں (مانتا کہ جس سے شرک لازم آئے)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ طور پر واقعہ پیش آیا۔

فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا ؎

ترجمہ: تو جب تجلی ڈالی اس کے رب نے پہاڑ پر پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دیا اور حضرت موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

تو وہ تجلی جو طور پر پڑی اور طور کو جلا کر رکھ دیا وہ نور تھا یا نہیں؟ بے شک وہ نور تھا مگر اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ نور نور خداوندی کا جز تھا؟ نہیں نہ وہ جز تھا نہ عین نور خداوندی کیونکہ اگر جز وہوتا تو معاذ اللہ ذات خداوندی حادث ثابت ہوگی اگر عین کہیں تو بھی غلط کیونکہ نور خداوندی ہر شے کو محیط ہے اور کوئی شے اسے محیط نہیں۔ بس تو بات یہ طے ہوئی کہ جو تجلی طور پر پڑی تھی وہ نور خداوندی سے پڑی تھی لیکن نہ ہم اس کو جزو کہہ سکتے ہیں نہ ہی عین۔ اسی طرح بالکل مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور میں نہ جزو ہیں نہ عین ہیں۔ نہ خداوند کریم کی ازلی ذات وصفات میں شریک ہیں اور پیدائشی جسمانیت بھی نوری ہے۔ آپ کی پیدائش جنس انسانی سے مسلم ہے کسی کو اس سے انکار نہیں ہوسکتا۔

اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام اہل سنت شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ بڑے عاشق رسول تھے اور یہ مقام مجددیت ان کو علم اور عشق رسول سے ملا۔ کیا خوب فرمایا:

جو گدا دیکھو لئے جاتا ہے توڑا نور کا
نور کی سرکار ہے کیا اس میں توڑا نور کا

یہ دنیوی سورج نکلتا ہے تو دنیا کے اربوں انسان، حیوان اور نباتات سورج کی نورانیت سے فائدہ مند ہوتے ہیں مگر سورج کی نورانیت میں کیا کمی واقع ہوسکتی ہے؟

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو سراج منیر فرمایا اور لوگوں کو علی الاعلان بتا دیا کہ دیکھو میرے محبوب سے نورانیت حاصل کرو اور یہ بات تو مسلم ہے کہ جو خود نور ہوگا تو نورانیت دے گا۔ اگر نور نہ ہوگا تو نورانیت بھی نہ دے گا۔ سراج منیر مان کر بھی نورانیت کا انکار سوائے سیاہ باطن کے اور کون کرسکتا ہے۔ نورانیت عام ہے سرکار کی۔ کائنات کا ذرہ ذرہ فائدہ حاصل کرتا ہے لیکن اگر کوئی خود اپنی آنکھیں بند کر کے نور سے بچیں اور اس سے فائدہ حاصل نہ کریں تو یہ ان کا اپنا قصور ہے اور ازلی بدبختی کی نشانی ہے۔ یہ ورد کیا کرو۔ یارسول اللہ!

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

کراچی الیکٹرک سپلائی کا پاور ہاؤس برابر کام کر رہا ہے اور بجلی دے رہا ہے۔ اس حال میں آپ رات کو بٹن نہ دبائیں آپ کا بلب فیوز ہو جائے یا کسی آندھی سے تاروں کا کنکشن ٹوٹ جائے یا آپ کی عدم ادائیگی واجبات یا عملہ کے ساتھ بدسلوکی اور یہ گفتار کہ تمہیں کوئی اختیار نہیں اور انہوں نے چلتے چلتے اگر اسی گستاخی کا بدلہ لیا اور تمہاری لائن کاٹ دی۔ اب آپ کہیں کہ کراچی بجلی گھر روشنی دینے سے معذور ہے حالانکہ کراچی شہر اور مضافات تو بجلی گھر سے تعلق قائم ہونے کی بنا پر جگمگا رہے ہیں اور ظلمت پرست صاحب ورد فرما رہے ہیں کہ پاور ہاؤس میں روشنی دینے کی قوت ہی نہیں ہے عین اسی وقت ایک بندۂ خدا آواز دیتا ہے میاں صاحب پاور ہاؤس کو بندمت کہو بلکہ اپنے آپ کو...... بند کہو۔ آپ کی اپنی لائن یا سوئچ کی خرابی ہے۔ باہر تو نکل کر دیکھو کہیں چھوٹے بلب کہیں بڑے بلب کہیں ٹیوب لائٹیں روشن ہیں مگر وہ صاحب ماننے والے کب ہوئے۔

سچ فرمایا ہے کسی نے کہ اندھے کو اندھیری کی ہی سوجھتی ہے۔ برابر فرما رہے ہیں۔ پاور ہاؤس میں بجلی دینے کی قوت نہیں اور اندھیرے میں خوب من مانی کر رہے ہیں۔

بالکل یہی مثال سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے معرفت کے منبر کی ہے۔ مگر آپ سے فیض وہی حاصل کرسکتا ہے جو آپ کو فیض رساں جانے۔ جو آپ کو اپنے جیسا قیاس کرے وہ نورانیت کیسے پاسکتا ہے؟ بعض لوگوں نے اللہ کے پیاروں کی شان میں گستاخیاں کر کے اپنے تعلقات قلبی کا بیڑہ غرق کر دیا ہے۔ مگر جو توبہ کرے اور دوبارہ تعلق قائم کرلے تو ہوسکتا ہے کہ کسی (روحانی) وائرمین، الیکٹریشن، فورمین یا انجینئر کی خدمت میں حاضری دیں اور اپنے اندھیرے پن کی شکایت کے ساتھ ہی کنکشن درست کرانے کا پکا ارادہ کرلیں تو مذکورہ ماہرین اپنی قابلیت کے لحاظ سے اس کا تعلق قائم کریں گے۔ یہ طالب کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ بڑے ماہر کے پاس جائے یا چھوٹے کے پاس۔ اگر انجینئر کے پاس پہنچ گیا تو پھر کبھی بھی ان شاء اللہ تعالیٰ تعلق منقطع نہ ہوگا مگر راستے میں نقالوں اور ٹھانوں سے بچتا ہوا گیا تو۔

اس دور میں عقائد کی درستگی کے لئے علماء ربانی عاشقان رسول کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ یہ بناسپتی دور ہے۔ بعض بڑے زور شور سے اعلان کرنے والے مبلغ اور کلمے پڑھانے والے ملیں گے۔ مگر عشق رسول کی ذرا بھی خوشبوان کے ہاں نہ ملے گی۔

عاشق رسول کا دامن مضبوطی سے تھام لوتا کہ تمہیں بھی مزہ چکھادے اور بغیر اس کے تو کچھ بھی نہیں۔ ؎

بے عشق محمد جو پڑھاتے ہیں بخاری
آتا ہے بخار ان کو بخاری نہیں آتی

بغیر تعلق قائم کئے آپ ہزار ہا خوبصورت بلب لگا لیجئے بالکل بے کار۔ مگر تعلق قائم ہوتے ہی معمولی سا صفر والٹ کا بلب بھی روشنی دے گا۔

یہی حال سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اگر تعلق قائم ہو جائے تو بلال حبشی رضی اللہ عنہ جیسے چمک اٹھیں اور تعلق ختم ہو جائے تو عمرو بن ہشام کو ابو جہل کا خطاب مل جائے۔

شیخ نجدی شیطان کا لقب ہے۔ ظاہری طور پر بڑا بزرگ ہوتا ہے مگر باطن تو ''وہ ہی''۔

سرکار کو نور مان کر بڑا فیض حاصل ہو سکتا ہے۔ نورانیت اور معرفت تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی حاصل ہوا کرتی ہے۔

اب اللہ تعالیٰ سے التجاء کرتا ہوں کہ تمام مسلمانوں کے قلوب کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے نور پاک سے منور فرمادے۔ آمین ثم آمین۔

چونکہ ۱۲ ربیع الاول شریف میں وقت بالکل کم ہے اور خوف ہے کہ یہ رسالہ طوالت کی بنا پر چھپنے سے رہ نہ جائے اب انشاء اللہ تعالیٰ دوسرا حصہ اسی رسالہ کا پیش کیا جائے گا۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۔ بِحُرْمَتِ حَبِيْبِكَ الْكَرِيْمِ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۔

☆☆☆☆☆☆

مسلک اعلیٰ حضرت کے چند مفید اسباق

اختر حسین فیضی مصباحی

اجماع شرعی

سبق (۱)

اجماع شرعی کسی امر دینی پر اجماع ایک عصر کے تمام آئمہ مجتہدین کے اتفاق کا نام ہے، خواہ وہ مجتہدین دنیا کے کسی بھی گوشے میں رہتے ہوں، تیسری صدی ہجری سے اجماع شرعی کے ادراک کی کوئی راہ نہ رہ گئی، امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اجماع شرعی جس میں اتفاق آئمہ مجتہدین پر نظر تھی، علماء نے تصریح فرمائی کہ بہ وجہ شیوع وانتشار علماء فی البلاد (شہروں میں علماء کے منتشر ہو جانے کی وجہ سے) دو صدی کے بعد اس کے ادراک کی کوئی راہ نہ رہی، (مسلم الثبوت) اور اس کی شرح (فواتح الرحموت) میں ہے:

(قال الامام احمد من ادعی الاجماع) علی امر (فھو کاذب والجواب انه محمول علی حدوثه الان) فان کثرة العلماء والتفرق فی البلاد الغیر المعروفین مریب فی نقل اتفاقھم (۱)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جو کسی معاملے میں اجماع کا دعویٰ کرے تو جھوٹا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کی بات اس وقت نئے اجماع کے ظہور پر محمول ہے، کیوں کہ علماء کی کثرت اور غیر معروف علاقوں میں ان کا متفرق ہو جانا ان کے اتفاق کو نقل کرنے میں شبہ پیدا کرتا ہے۔

نیز فواتح الرحموت میں ہے:

تحقیق المقام ان فی القرون الثلثة لا سیما القرن الاول قرن الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم کان المجتهدون معلومین باسمائهم و اعیانهم و امکنتهم خصوصًا بعد وفاة رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وآله واصحابه وسلم زمانه قلیلا ویمکن معرفة اقوالهم و احوالهم للجاد فی الطلب، نعم، لا یمکن معرفة الاجماع ولا النقل الان لتفرق العلماء شرقا و غربا لا یحیط بهم علم احد ۔ اھ مخلصین ۔ (۲)

تحقیق مقام یہ ہے کہ پہلے تین قرن خصوصاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا قرن (زمانہ) جو اول قرن ہے، اس میں مجتہدین حضرات اپنے ناموں، ذاتوں اور مقامات کے اعتبار سے خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد قلیل زمانے تک معروف تھے اور ان کے اقوال واحوال کی معرفت کے لئے جدوجہد کرنا ممکن تھا، ہاں آج اجماع کی معرفت ممکن نہیں اور نہ ہی اس کو نقل کرنا ممکن رہا کیوں کہ علمائے کرام شرقاً غرباً متفرق ہو چکے ہیں جن کو کسی ایک شخص کا علم احاطہ نہیں کرسکتا۔ اھ مذکورہ دونوں عبارتیں ملخص ہیں۔

جب صرف مجتہدین کا اتفاق معلوم نہیں ہوسکتا تو عرف وتعامل جس میں اجتہاد درکنار، علم بھی درکنار نہیں، علماء وجہلا سب کا عمل درآمد ملحوظ ہے، اس میں اتفاق کل کیا معنی، اتفاق اکثر کا علم بھی بدرجہ اولیٰ محال وناممکن ہے کہ آخر اکثر کل، کل علماء سے ضرور اکثر ہے۔ (۳)

عرف وتعامل

سبق (۲)

(فقہائے کرام نے) ہمیشہ لاجرم اپنے ہی قُطر (ملک یا صوبے) کے بلاد کثیرہ میں عمل غالب کا نام عرف وتعامل رکھا اور اسی کو بنائے احکام (احکام کی بنیاد) قرار دیا...... این وآں پر کیوں نظر کیجئے، خود حضرات علمائے کرام ہی سے پوچھ لیجئے کہ عرف وتعامل سے مراد حضرات کیا ہوتی ہے۔

صدہا جگہ علمائے مستدلین (دلیل پیش کرنے والے) استدلال بالعرف کے ساتھ تصریح فرماتے ہیں کہ یہ ہمارے دیار کا عرف ہے، یہ فلاں بلاد کا تعامل ہے۔ (۴)

عرف وتعامل کے لئے ملک کے تمام مسلمانوں کا اجماع یا اکثر مسلمانوں کا اتفاق ضروری نہیں، اگر ایسا ہو تو اس کی بنا پر کوئی حکم لانا محال ہو جائے، اس لئے کہ ملک کے تمام مسلمانوں کا نہ شمار ہی ممکن ہے اور نہ ہی ان کے عرف وتعامل پر آگاہی ممکن، تو اس صورت میں تمام مسلمانوں کا عرف وتعامل کیسے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ اس پر مسئلے کی بنیاد رکھی جائے۔ فقیہ اسلام امام احمد رضا قادری حنفی بریلوی رقم طراز ہیں:

”حاشا للہ! یہ اگر عرف وتعامل حقیقۃً اجماع کل مسلمانان ہند درکنار، اتفاق اکثر مومنین جمیع بلاد ہی مراد علماء ہوتا تو مسئلہ کالمستحیل (قریب بہ محال) ہو جاتا اور اس کی بنا پر حکم ناممکن رہتا، زمانہ مشائخ کرام میں بحمد للہ تعالیٰ اسلام مغارب ارض سے مشارق تک (پوری دنیا میں) پھیل چکا تھا، مسلمان اقطار وآفاق (دنیا کے گوشے گوشے) میں آباد تھے، کوئی شخص ان بلاد وقری وشعاب وجبال (شہروں، دیہاتوں، گھاٹیوں اور پہاڑوں) کی گنتی بھی نہ بتا سکتا، جہاں جہاں ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ پکارا جاتا تھا۔ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چہ جائے آں کہ مسلمانوں کا شمار، چہ جائے آں کہ ان سب کے عمل وعرف پر اطلاع اور بغیر اس کے کسی کام میں حکم لگانا کہ عامہ بقاع (عام جگہوں) کے جمہور مسلمین کا عرف یوں ہے، قطعاً محال، تو کسی مسئلہ کو عرف وتعامل پر بنا کرنا ہی ممتنع ہوتا۔

دور کیوں جایئے، اب تو ریل بھی، آگبوٹ بھی ہے، تار بھی ہے، اخبار بھی ہے، ڈاک کے سلسلے بھی منظم ہیں، مہینوں کی راہیں دنوں میں طے ہوتی ہیں، گھر بیٹھے اقطار وامصار کی جھوٹی سچی خبریں ملتی ہیں۔ مدتہا مدت سے جغرافیہ کے عظیم اہتمام ہیں۔ کروڑوں روپے کے صرف سے مشرق ومغرب کی پیمائشیں ہوتی ہیں، بلاد وبقاع کے طول وعرض جانچے جاتے ہیں، آئے دن تازہ تازہ اطلسیں (اٹلس) بنتی رہتی ہیں، غرض جس قدر دین کا انحطاط وتنزل ہے اسی قدر دنیوی ترقیاں ہیں، جسے دنیا پرست، عبید النفس (نفس کے غلام) ترقی گا رہے ہیں، زمانہ مشائخ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ان آسانیوں سے ایک بھی نہ تھی، اب اس تیسر اور تفتح ابواب (آسانی اور کشادگی) ہی کے زمانے میں کوئی شخص ٹھیک طور پر بتا

دے کہ آفاق واقطار، شرق وغرب وجنوب وشمال کے بلادوقری وصحاری وجزائر وجبال میں حقیقی مسلمان جن کا عرف شرعاً ملحوظ ومقصود ہو، نہ نیچری وغیرہم کفار مدعیان اسلام، کہ ان جیسے کروڑوں کا تعامل ہو تو مطلقاً مردود ہو، کہاں کہاں آباد ہیں، ہر جگہ کے سچے مسلمانوں کی صحیح مردم شماری کیا ہے، کسی معاملہ خاص میں ان میں ہر ایک کا عرف وعمل کس طور پر رہا ہے، حصر بلادوشمار عباد (تمام شہروں اور عوام کا شمار) جو کچھ بیان کرے اس پر دلیل معقول قابل قبول دکھائے، نہ یہ کہ فلاں سال کی مردم شماری میں اسی قدر معدود، فلاں اطلس میں اتنے ہی موجود کہ اس حصر اور اس کے جامع ومانع ہونے کی جو وقعت ہے، ہر ذی عقل وانصاف کو معلوم ومشہود، مردم شماری تو محض مہمل ومختل انکل ہے، اطلسیں، جن کے محکمے مقرر ہیں اور بڑے بڑے انتظام کروڑوں کے صرف ہیں اور ہزاروں اہتمام حصر وشمار بقاع درکنار، جو آنکھوں دیکھی اور قواعد منضبطہ بینات پر مبنی بات ہے، یعنی عرض وطول بلاد، اس میں اختلافات دیکھئے، کبھی دو اطلسیں متفق نہ پایئے گا۔ ع

ہر کہ آمد عمارت نو ساخت (۵)

سبق (۳)

مسجد اللہ کا گھر ہے، روئے زمین پر اس سے بہتر کوئی جگہ نہیں، اللہ تعالیٰ نے مسجدوں کو بڑی فضیلت بخشی ہے، اس لئے ان کا ادب واحترام بھی اسی انداز سے کرنا چاہئے، ہم مسجد میں نماز پڑھنے تو جاتے ہیں، لیکن اس کے آداب سے واقف نہیں اور اگر کچھ حضرات واقفیت رکھتے بھی ہیں تو اس پر عمل پیرا نہیں، جس کی پاداش میں غضب الٰہی کو دعوت دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں مسجدوں کا احترام کرنے کی توفیق بخشے۔

امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ العزیز کی درج ذیل تحریر میں مسجدوں کے ادب واحترام کا درس دیا گیا ہے، جو خداترس مسلمانوں کے لئے ضرور رہنمائی کا کام کرے گی۔ آپ لکھتے ہیں:

○ جب مسجدوں میں قدم رکھو تو پہلے سیدھا، پھر الٹا اور واپسی پر اس کا عکس۔

○ مسجد میں آتے وقت اعتکاف کی نیت بسم اللہ دخلت وعلیہ توکلت و

نویت سنت الاعتکاف کرلو کہ اس عبادت کا بھی ثواب ملے گا اور اس کے لئے روزہ شرط نہیں، نہ کسی معین وقت تک بیٹھنا لازم، جب ٹھہرو گے معتکف رہو گے، جب باہر آئے اعتکاف ختم ہوگیا اور اس کے سبب مسجد میں پانی پینا یا کھانا بھی جائز ہو جائے گا۔

○ بغیر نیت اعتکاف کسی چیز کے کھانے کی اجازت نہیں، بہت مساجد میں دستور ہے کہ ماہ رمضان المبارک میں لوگ نمازیوں کے لئے افطاری بھیجتے ہیں اور وہ بلا نیت اعتکاف وہیں بے تکلف کھاتے پیتے اور فرش خراب کرتے ہیں یہ ناجائز ہے۔

○ مسجد کے ایک درجے سے دوسرے درجے کے داخلے کے وقت سیدھا قدم بڑھایا جائے، حتیٰ کہ اگر صف بچھی ہو، اس پر بھی پہلے سیدھا قدم رکھو اور جب وہاں سے ہٹو تب بھی سیدھا قدم فرش مسجد پر رکھو یا خطیب جب منبر پر جانے کا ارادہ کرے، پہلے سیدھا قدم رکھے اور جب اترے تو سیدھا قدم اتارے۔

○ مسجد میں دوڑنا یا زور سے قدم رکھنا جس سے دھمک پیدا ہو، منع ہے۔

○ مسجد میں اگر چھینک آئے تو کوشش کرو کہ آہستہ آواز نکلے، اسی طرح کھانسی۔

○ مسجد میں حدث منع ہے، ضرورت ہو تو باہر چلا جائے، لہٰذا معتکف کو چاہئے کہ ایام اعتکاف میں تھوڑا کھائے، یا پیٹ ہلکا رکھے کہ قضائے حاجت کے سوا کسی وقت اخراج ریح کی حاجت نہ ہو وہ اس کے لئے باہر نہ جاسکے گا۔

○ قبلہ کی طرف پاؤں پھیلانا تو ہر جگہ منع ہے، مسجد میں کسی طرف نہ پھیلائے کہ خلاف آداب دربار ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادہم قدس سرہ مسجد میں تنہا بیٹھے تھے، پاؤں پھیلالیا، گوشہ مسجد سے ہاتف نے آواز دی: ابراہیم! بادشاہوں کے حضور میں یوں ہی بیٹھتے ہیں، معاً پاؤں سمیٹے اور ایسے سمیٹے کہ وقت انتقال ہی پھیلے۔ (۱)

مسجد میں بات کرنے کا حکم

○ مسجد جس میں دنیا کی مباح باتیں کرنے کو بیٹھنا نیکیوں کو کھاتا ہے، جیسے آگ لکڑی کو، فتح القدیر میں ہے:

الکلام المباح فیہ مکروہ یاکل الحسنات ۔ (۲)

مسجد میں کلام مباح بھی مکروہ ہے اور نیکیوں کو کھا جاتا ہے۔

اشباہ میں ہے:

انه یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب ۔(۳)

بے شک وہ نیکیوں کو یوں کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

امام ابوعبداللہ نسفی نے مدارک شریف میں حدیث نقل کی کہ:

الحدیث فی المسجد یاکل الحسنات کما تاکل البهیمة الحشیش(۴)

مسجد میں دنیا کی بات نیکیوں کو اس طرح کھا جاتی ہے جیسے چوپایہ گھاس کو۔

غمز العیون میں خزانۃ الفقہ سے ہے:

من تکلم فی المساجد بکلام الدنیا احبط اللہ تعالیٰ عنه عمل اربعین سنة (۵)

جو مسجد میں دنیا کی بات کرے اللہ تعالیٰ اس کے چالیس برس کے عمل اکارت فرمادے۔

اقول و مثله لا یقال بالرای

(میں کہتا ہوں کہ اس قسم کی بات رائے اور اٹکل سے نہیں کہی جاسکتی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

سیکون فی اخر الزمان قوم یکون حدیثهم فی مساجدهم لیس لله فیهم حاجة(۶) (رواہ ابن حبان فی صحیحہ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ)

آخر زمانے میں کچھ لوگ ہوں گے کہ مسجد میں دنیا کی باتیں کریں گے، اللہ عزوجل کو ان لوگوں سے کچھ کام نہیں۔ (اس کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت فرمایا)

حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں ہے:

کلام الدنیا اذا کان مباحا صدقا فی المساجد بلا ضرورة داعیة الی ذلك کالمعتکف یتکلم فی حاجة اللازمة مکروه کراهة

تحریم (ثم ذکر الحدیث وقال فی شرحه) لیس لله تعالیٰ فیهم حاجة ای لا یرید بهم خیرا و انماهم اهل الخیبة والحرمان والاهانة والخسران (۷)

یعنی دنیا کی بات جب کہ فی نفسہ مباح اور سچی ہو، مسجد میں بلاضرورت کرنی حرام ہے۔ ضرورت ایسی جیسے معتکف اپنے حوائج ضروریہ کے لئے بات کرے، پھر حدیث مذکور ذکر کرکے فرمایا، معنیٰ حدیث یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ نہ کرے گا اور وہ نامراد ومحروم وزیاں کار اور اہانت وذلت کے سزاوار ہیں۔

اسی میں ہے:

وروی ان مسجدا من المساجد ارتفع الی السماء شاکیا من اهله یتکلمون فیه بکلام الدنیا فاستقبلة الملکئة وقالوا بعثنا بهلا کهم ۔(۸)

یعنی مروی ہوا کہ ایک مسجد اپنے رب کے حضور شکایت کرنے چلی کہ لوگ مجھ میں دنیا کی باتیں کرتے ہیں، ملائکہ اسے آتے ملے اور بولے کہ ہم ان کے ہلاک کرنے کو بھیجے گئے ہیں۔

اسی میں ہے:

وروی ان الملئکة یشکون الی اللہ تعالیٰ من نتن فم المغتابین والقائلین فی المساجد بکلام الدنیا ۔(۹)

یعنی روایت کیا گیا کہ جو لوگ غیبت کرتے ہیں (جو سخت حرام اور زنا سے بھی اشد ہے) اور جو لوگ مسجد میں دنیا کی باتیں کرتے ہیں ان کے منہ سے وہ گندی بدبو نکلتی ہے جس سے فرشتے اللہ عزوجل کے حضور ان کی شکایت کرتے ہیں۔

سبحان اللہ جب مباح وجائز بات بلاضرورت شرعیہ کرنے کو مسجد میں بیٹھنے پر یہ آفتیں ہیں تو حرام وناجائز کام کرنے کا کیا حال ہوگا۔(۱۰)

حواشی

(۱) فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی، الاصل الثالث، الاجماع، ۲/۱۱۲ منشورات الشریف الرضی، قم۔

(۲) فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی، الاصل الثالث، الاجماع ۲/۲۱۲، ۲۱۳۔

(۳) رسالہ للنی والدرر لمن عمد من آردر مشمولہ فتاوی رضویہ، ج: ۱۹، ص ۱۵۹۴، ۵۹۵، امام احمد رضا قادری حنفی، برکات رضا پور بندر، گجرات۔

(۴) رسالہ للنی والدرر لمن عمد منی آردر مشمولہ فتاوی رضویہ، ج: ۱۹، ص ۵۹۶، برکات رضا پور بندر، گجرات۔

(۵) رسالہ المنی والدرر لمن عمد منی آدر مشمولہ فتاوی رضویہ، ج: ۱۹، ص ۵۹۳، ۵۹۴، برکات رضا پور بندر، گجرات۔

(۱) الملفوظ، ۲/۱۲۰۔

(۲) فتح القدیر، کتاب الصلوۃ، فصل ویکرہ استقبال القبلۃ بالفرج فی الخلاء، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ۱/۲۳۳)

(۳) الاشباہ والنظائر، الفن الثالث، القول فی احکام المساجد، ادارۃ القرآن، کراچی، ۲/۲۳۳) .

(۴) المدارک (تفسیر النسفی) سورۃ لقمان، آیۃ ومن الناس من یشتری، دار الکتاب العربی، بیروت، ۳/۲۸۹)

(۵) غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر، الفن الثالث فی احکام المسجد، ادارہ القرآن کراچی، ۲/۲۳۳)

(۶) موارد الظمان الی زوائد ابن حیان، کتاب المواقیت، حدیث: ۳۱۱، المطبعۃ السلفیۃ، مدینہ منورہ، ص: ۹۹۔

(۷) الحدیقۃ الندیۃ، نوع: کلام الدنیا فی المساجد بلا عذر، مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۳۱۶، ۳۱۸)

(۸) الحدیقۃ الندیۃ، نوع: کلام الدنیا فی المساجد بلا عذر، مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد، ۲/۳۱۶، ۳۱۸۔

(۹) الحدیقۃ الندیۃ، نوع: کلام الدنیا فی المساجد بلا عذر، مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۳۱۶، ۳۱۸)

(۱۰) فتاوی رضویہ ۱۶/۳۱۱، ۳۱۲، از: امام احمد رضا قادری حنفی بریلوی، برکات رضا، پور بندر، گجرات۔

رہن میں اجارہ وبیع کے معاملات تحقیقِ رضا کی روشنی میں

محترمہ ڈاکٹر صبا نور صاحبہ (ریسرچ اسکالر، دی یونیورسٹی آف فیصل آباد)

Abstract: Islam has given definite guidance for Shaira-compliant economic activities. Pledge is an important contract besides guarantee for securing a debt. This article discusses the research of Imam Ahmad Raza on pledge and combining it with sale and lease contracts and is helpful in knowing his contribution to Economics.

خلاصہ: اسلام انسانوں کی انفرادی واجتماعی زندگی کے تمام پہلوؤں سے متعلق احکامات پیش کرتا ہے۔ معاشرتی زندگی میں انسانوں کو اپنی ضروریات کے لیے ایک دوسرے سے ادھار لینے دینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ کفالت اور رہن دین کی توثیق کے ذرائع ہیں۔ اسلام رہن سے متعلق واضح راہنمائی فراہم کرتا ہے جس میں قرض دینے اور لینے والے دونوں کی سہولت کو مدِ نظر رکھا گیا ہے۔ امام احمد رضا نے رہن میں خاص مسائل عقدِ اجارہ اور عقدِ بعم کے معاملات کی تشریح وتوضیح فرمائی ہے۔ اس مقالے میں رہن رکھی ہوئی شے کو کرائے پر دینے اور فروخت کرنے کے معاملات پر امام احمد رضا کی تحقیقات کو بیان کیا گیا ہے۔ (صبا)

تعارف

عقد رہن کا جواز قرآن وحدیث سے ثابت ہے اسلام کی تعلیمات کے مطابق رہن رکھنے والا رہن رکھی شے سے کسی قسم کا نفع حاصل نہیں کرسکتا نہ خود استعمال کرنے کا حق رکھتا

ہے اور نہ ہی اُس شے کو کرائے پر دینے یا فروخت کرنے کا اختیار رکھتا ہے، وہ شے اُس کی ملکیت نہیں ہے اور جب ملکیت ہی نہیں تو اس میں کسی بھی قسم کا تصرف ناجائز وحرام ہے۔ وہ شے ایک قرض کے عوض اس کے پاس رہن ہے اور قرض دار اس کی رقم ادا کر کے اپنی شے واپس لینے کا اختیار رکھتا ہے۔

طریقۂ کار

اس تحقیقی مقالے میں عقدِ رہن سے متعلق خاص مسائل کو بیان کیا گیا ہے۔ رہن شے کو کرائے پر دینا اور فروخت کرنا۔ ان مسائل پر امام احمد رضا کی تحقیقات بیان کی گئیں ہیں۔ ان سے حاصل ہونے والے نتائج، خلاصۂ تحقیق، اور دورِ حاضر میں اس طرح کے معاملات کو امام احمد رضا کی تحقیقات کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ آخر میں عملی اطلاق اور مآخذ ومراجع درج کر دیے گئے ہیں۔

مقاصدِ تحقیق

اس تحقیقی مقالے کے درجِ ذیل مقاصد ہیں:

(۱) شریعتِ مطہرہ کی رو سے ہر عقد الگ نوعیت کا ہے۔ عقدِ اجارہ (کرائے پر دینا) عقدِ بیع (خرید وفروخت) اور عقدِ رہن الگ الگ معاملات ہیں۔ کسی بھی صورت ایک کو دوسرے میں جمع نہیں کیا جا سکتا اس کے متعلق وضاحت بیان کر کے منظرِ عام پر لانا۔

(۲) رہن شے میں ترّکف جائز نہیں۔ رہن شے کے کرائے پر دینے اور فروخت کرنے کے مسائل کو واضح اور جامع انداز میں پیش کر کے عام سطح پر لوگوں کو اس سے روشناس کرانا۔

(۳) عقدِ رہن میں عقدِ اجارہ قائم کیا جائے۔ تو اس صورت میں ایک عقد باقی رہتا ہے جبکہ دوسرا باطل، اِس نوعیت کے مسائل کو منظرِ عام پر لا کر اس سے آگاہ کرنا۔

(۴) امام احمد رضا نے عقدِ رہن میں عقدِ بیع اور اجارہ جیسے خاص مسائل کو واضح انداز میں بیان کیا آپ کی تحقیقات کو منظرِ عام پر لانا۔

(۵) رہن رکھی ہوئی شے سے نفع کے بارے میں احکامات اور امامِ احمد رضا نے اس نفع سے متعلق جو تحقیق بیان کی اُس سے آگاہی دینا۔

(۶) موجودہ دور میں اس عقد کی صورتوں کو بیان کر کے شرعاً جائز بنانے کی ترغیب دینا امامِ احمد رضا کی تحقیقات سے راہنمائی لے کر آجکل کے عقدِ رہن سے متعلق مسائل کو حل کرنا۔

رہن رکھی ہوئی شے سے فائدہ اٹھانا

عقدِ رہن میں ضرورت مند شخص کسی دوسرے سے قرض حاصل کرتا ہے اور اس قرض کے عوض اپنی کوئی قیمتی شے اس کے پاس رہن رکھوا دیتا ہے۔ قرض واپس کر کے اپنی شے واپس لینے کا حق رکھتا ہے۔ شرع مطہرہ اور فقہائے کرام کے مطابق رہن شے رکھنے والا اُس شے کو بعینہٖ اُسی حالت میں اپنے پاس رکھنے کا پابند ہے۔ رہن رکھنے والا اُس شے کو نہ تو آپ نے استعمال میں رکھ سکتا ہے اور نہ ہی اس شے کو کرائے پر دے کر کوئی نفع حاصل کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ بعض اوقات قرض ہی اس قسم کی شرط پر دیا جاتا ہے کہ اس شے سے نفع حاصل کیا جائے؛ دوسری طرف قرض دار مجبوراً قرض کے دباؤ کی وجہ سے اس شے سے نفع کی اجازت دے دیتا ہے۔ اس نوعیت کی تمام صورتیں ناجائز وحرام ہیں۔

امام احمد رضا نے ان تمام صورتوں کو بیان کیا اور رہن شے سے نفع کی جائز صورت بیان کی کہ قرض دار بغیر کسی شرط کے، بغیر کسی دباؤ کے بغیر کسی معارضے کے صرف رہن رکھنے والے کو احسان کے طور پر اس رہن شے سے فائدے کی اجازت دے۔ رہن رکھنے والا اس شے کو اپنے استعمال میں لا سکتا ہے، جیسے مکان کا مالک رہن رکھے مکان میں اُس کو غیر معینہ مدت کے لیے رہنے کی اجازت دے اس صورت میں وہ قرض خواہ اس مکان میں رہ سکتا ہے۔ اس سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن جب مالک اس شے کے استعمال سے منع کر دے تو رہن رکھنے والے پر یہ فرض ہے۔ کہ فوراً بغیر کیسی تردّو کے بغیر کسی عذر کے اس شے سے فائدہ چھوڑ دے بلکہ اس شے کو محض اپنے پاس رہن رکھے۔

رہن رکھی ہوئی شے کو کرائے پر دینا، یا فروخت کرنا اس نوعیت کے مسائل کو سمجھنے سے پہلے کرائے (اجارہ) اور فروخت (بیع) کے معاملات کا مختصر سا تعارف بیان کیا جائے گا تا کہ اس عقدِ رہن میں ان معاملات کو آسانی سے سمجھا جا سکے، شرع کے اعتبار سے ہر معاملہ ہر عقد الگ نوعیت کا ہے۔ ہر عقد کے جائز ہونے کی کچھ شرائط اور اصول ہیں جو اس عقد کی درستگی کے لیے لازم وملزوم ہیں: اِسی طرح عقدِ اجارہ (کرائے پر دینا) اور عقدِ بیع (خرید و

فروخت) دو الگ عقد ہیں اِسی طرح عقدِ رہن کے اپنے مسائل بشرائط اور حدود ہیں۔ عقدِ اجارہ (کرائے پر) ازروئے شریعت جائز ہے۔ اس عقد کی شرائط میں یہ تفصیلاً بیان کیا ہے، کرائے پر شے لین دین کے لیے صِرف اُس شے کے مالک کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ ایک معیّن مدت کے لیے معیّن اُجرت کے تحت اس شے کو کرائے پر دے۔ اجرت اور مدت کا تعین کرنا اس عقد کی لازمی شرط ہے اسی طرح کرایہ اس وقت لازم ہوتا ہے جب کرائے دار کرائے کی شے سے فائدہ حاصل کرتا ہے، اس کو اپنے استعمال میں لائے؛ خالی کرائے پر لینے سے کرایہ لازم نہیں ہوتا۔ کرایہ شے کے مالک کا حق ہوتا ہے۔ اسی طرح عقدِ بیع (خرید و فروخت) سے متعلق معاملات پر شریعت اسلامی نے تفصیل سے بحث کی ہے اس عقد کے لیے عاقدین کی رضامندی ضروری ہوتی ہے ایجاب و قبول کا ایک ہی مجلس میں طے ہونا ضروری ہوتا ہے۔

رہن رکھی شے کو رہن رکھنے والا مالک کی رضامندی سے کرائے پر دے گا تو اس صورت میں رہن باطل ہو جائے گا؛ کیونکہ شرع مطہرہ کی رو سے ایک ہی وقت میں دو عقد جمع نہیں ہو سکتے، مالک کی اجازت کے بغیر کرائے پر دیا تو جتنا کرایہ رہن رکھنے والے نے حاصل کیا سارے کا سارا مالک کو واپس کرے گا یا صدقہ و خیرات کرے گا۔ اس جیسے مسائل میں امام احمد رضا نے اپنی تحقیقات پیش کیں ہیں۔ اِس طرح رہن شے کو فروخت کر دینے کا بھی مالک کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ یہ مالک پر منحصر ہے کہ وہ اس بیع کو قائم رکھے یا منسوخ کر دے؛ مالک کی مرضی کے بغیر رہن رکھنے والا اس شے کو فروخت کر کے رقم حاصل کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ مالک اس بیع کو فسخ کر کے مال کو پھر رہن رکھوا سکتا ہے۔ اسی طرح مالک کی اجازت سے فروخت کیا، وہ رقم اس مال کے بدلے رہن رکھ لی جائے گی۔ مال رہن اس شرط پر رہن رکھا کہ کچھ عرصے بعد جب قرض کی رقم ادا نہ کی جائے تو اس جائداد کو بیع شدہ سمجھا جائے اور قرض کی رقم کو اس جائیداد کی قیمت، اس شرط پر یہ بیع درست نہ ہوگی۔ عقدِ رہن میں عقدِ اِجارہ (کرایہ) کے جواز کی کوئی صورت نہیں نکلتی اسی طرح بیع عقد میں بھی چند مسائل ایسے ہیں کہ رہن مال کو فروخت نہیں کیا جا سکتا۔ الرض یہ دونوں الگ عقد ہیں۔

تحقیقِ رضا

امام احمد رضا نے عقدِ رہن میں عقدِ اجارہ اور عقدِ بیع سے متعلق مسائل کو نہایت واضح

اور جامع انداز میں بیان فرمایا۔ آپ فرماتے ہیں عقدِ رہن اور عقدِ اجارہ دو الگ عقد ہیں۔ عقدِ اجارہ (کرایہ پر دینا) میں کسی شے کو کرائے پر دے کر نفع حاصل کیا جاتا ہے؛ حاصل ہونے والا کرایہ رہن رکھنے والے کا حق سمجھا جاتا ہے، حالانکہ رہن رکھنے والے کو رہن شے کرائے پر دینے کا اختیار نہیں؛ کیونکہ وہ شے کا مالک نہیں اس کے پاس یہ شے امانت ہے اور قرض دار نے قرض کے عوض وہ شے اس کے پاس مقدے کر دی ہے۔ وہ رہن شے کو اپنے فائدے کے لیے استعمال نہیں کر سکتا؛ وہ نفع اس کے لیے حرام ہے۔

اِسی طرح رہن شے کا مالک اپنی ہی شے کو کرائے پر حاصل نہیں کر سکتا، کیونکہ وہ شے اس کی ملکیت ہے اور اپنی ہی ملک کو دوسرے سے کرائے پر لینا باطل ہے۔ رہن رکھنے والا اُس شے کے مالک کی اجازت کے بغیر اُسے کرائے پر دے؛ کرائے پر لینے والے شخص کو بھی یہ علم ہو یہ اس کی ملکیت نہیں ہے بلکہ اس کے پاس رہن ہے۔ اس صورت میں کرائے پر دینے اور لینے والا دونوں گناہ گار ہوں گے۔ رہن رکھنے والے پر یہ فرض ہے کہ وہ سارا حاصل کیا ہوا نفع مالک کو دے یا صدقہ و خیرات کر دے رہن رکھنے والے کا اس منافع پر کوئی حق نہیں۔ اس طرح رہن رکھنے والے کو یہی شے کسی دوسرے کو بطور رہن دینے کا اختیار بھی نہیں ہوتا۔ مثلاً جس شخص نے قرض کے عوض اپنی کوئی شے قرض خواہ کے پاس رہن رکھوائی اور وہ شخص کسی اور کو اسی قدر زرِ رہن کے رہن پر دے اور اتنا ہی پیسہ بغیر کسی نفع کے اُس شخص سے لے ایسا کرنا ناجائز ہے۔

امام احمد رضا اپنی اس بات کی تائید میں درمختار کی عبارت نقل کرتے ہیں: رہن رکھنے والے کو رہن شے سے کسی قسم کا نفع حاصل کرنا جائز نہیں اور نہ اس شے سے کسی قسم کی خدمت نہ سکونت نہ عاریتاً کسی کو دینے اور نہ ہی کسی اور کو رہن پر دینے کا اختیار ہے۔

عقدِ رہن کے وقت ہی مالک اور رہن رکھنے والا اس شے کو کرائے پر دینے کے لیے رضامند ہوں۔ مالک نے بخوشی کرائے کی اجازت دے دی ہو تو اس صورت میں یہ عقد رہن ختم ہو جاتا ہے۔ دوسرا عقد عقدِ اجارہ قائم ہو جاتا ہے۔ عقدِ رہن کی شرائط میں سے کچھ ایسی ہیں جو اس عقد کو فاسد کر دیتی ہیں جیسے مدت کا بیان کرنا کہ میں دو ماہ کے لیے رہن رکھواتا ہوں اس طرح کی شرائط کا یہ عقد باطل ہو جاتا ہے۔ امام احمد رضا سے سوال ہوا کسی

ہندہ نے نابالغ زید سے قرض لیا اور اپنا مکان دو ماہ کی مدت کے لیے اُس کے پاس رہن رکھا لیکن رہن کے باوجود وہ عورت اس مکان میں مقیم رہی پھر زید نے وہی مکان اُس عورت کے بیٹے عمرو کو کرائے پر دیا، عمرو نے کہا جب تک قرض کی رقم واپس نہ کروں اس وقت تک باقاعدگی سے اس مکان کا کرایہ ادا کرتا رہوں گا۔ عمرو نے ایک اقرار نامہ بھی لکھا جس میں لکھا تھا کہ میں دو ماہ کی مدت میں اپنی موضع یعنی زید کے پاس مکان کے بدلے رہن رکھ دوں گا، عمرو نے زید سے جو مکان کرائے پر حاصل کیا اس میں رہائش ہی اختیار نہ کی بلکہ اُس کی ماں ہی رہائش پزیر تھی زید ساڑھے چار سال تک کرائے کے مطالبے سے خاموش رہا۔ اس نے کرایہ وصول کرنے کے لیے دعویٰ کیا گواہوں نے گواہی دی ہے۔ اس مسئلے میں کیا زید کرائے کا حق دار ہے۔

امام احمد رضا اس مسئلے کا جواب دیتے ہیں کہ سب سے پہلے جو عقد رہن میں مدت بیان کی گئی وہ رہن کو فاسد کر دیتی ہے۔ عقد رہن میں رہن رکھی شے پر قرض خواہ کا قبضہ ہونا لازمی شرط ہے اس مسئلے میں زید کا مکان پر قبضہ ہی نہیں ہوا وہ عورت خود ہی مکان میں رہائش پذیر رہی، لہٰذا عقد رہن باطل۔ اس مسئلے میں دوسرا عقد جو کہ اجارہ (کرایہ) کا ہے۔ عقد اجارہ میں مدت کا بیان ضروری ہے محض ایجاب وقبول سے مدت بیان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ کرایہ اس وقت لازم ہوتا ہے جب کرائے دار اُس شے سے فائدہ حاصل کرے اور کرائے پر دینے والا اس شے کو کرائے دار کے سپرد کرے اس صورت میں خود عمرو نے مکان میں قیام ہی نہیں کیا۔ عمرو کا یہ کہنا کہ میں کرایہ باقاعدگی سے ادا کرتا رہوں گا صرف وعدے کے طور پر کہنا تھا۔ وعدے کے طور پر کرایہ لازم نہیں ہوتا لہٰذا زید کو کرائے کا حق حاصل نہیں اس کا مطالبہ بالکل ناجائز ہے۔

عقد رہن میں رہن شے جو کہ اس قرض کے عوض قرض خواہ کے پاس رکھی جاتی ہے رہن شے کا مکمل سپرد کر دینا لازمی ہوتا ہے۔ اس طرح رہن شے کے مالک کو بھی اس شے سے نفع اُٹھانا ناجائز نہیں اور نہ ہی رہن رکھنے والے کو اُس شے سے کسی قسم کا فائدہ حاصل کرنا جائز ہے بلکہ رہن کیے ہوئے مکان میں مالک کا سامان موجود ہو اور وہ مکان رہن کر دے۔ اس صورت میں بھی عقد رہن درست نہیں۔

امام احمد رضا سے سوال ہوا: زید نے بکر کے پاس اپنے مکانات اور دکانیں رہن کیں، بکر سے ایک ہزار روپے قرض لے لیا بعد میں اُسی قرض پر پانچ سو روپیہ کا اضافہ کر کے زید نے بکر سے ایک دستاویز تحریر کروائی کہ مکانات اور دکانیں جو پہلے سے زید کے کرائے داروں کے پاس تھیں کہ ان کا کرایہ بکر کو ادا کیا جائے۔ بکر نے چار ہزار نو سو پینتالیس روپے بذریعہ زید کرائے داروں سے وصول کیے؛ اس کے بعد بکر نے عدالت میں جائیداد کو نیلام کرنے کی درخواست دی زید کو یہ اعتراضات ہیں کہ رہن رکھی شے پر بکر کا قبضہ ہی نہیں ہوا صرف تحریر سے قبضہ مانا جائیگا۔ امام احمد رضا اس مسئلے کے جواب میں فرماتے ہیں: اس عقد رہن میں بھی شے پر قبضہ نہیں ہوا رہن رکھنے والا کا قبضہ محض خالی تحریروں سے مانا نہیں جائے گا بکر کا قبضہ ہی نہیں ہوا اور وہ پہلے ہی سے کرائے داروں کے پاس ہیں یہ رہن اس صورت میں نافذ ہی نہیں ہوا۔ دوسری بات کہ بکر نے زید کی اجازت سے کرائے داروں سے نفع حاصل کیا اُس کرائے پر بکر کا کوئی حق نہیں، بلکہ جتنا منافع بکر نے حاصل کیا چار ہزار نو سو پینتالیس اُس میں سے اپنے قرض کی رقم جو کہ اس نے زید کو دی تھی نکال کر باقی ساری رقم زید کو ادا کر دے اس منافع پر بکر کا کوئی حق نہیں یہ منافع اس کے لیے حرام ہے۔ شے کا مالک منافع کی رقم کو رہن رکھنے والے کو معاف کر دے یا ہبہ کر دے۔ یہ منافع اس صورت میں بھی رہن رکھنے والے کو حلال نہیں ہو سکتا منافع شے کے مالک کا حق ہے۔

رہن شے کو مالک کی اجازت کے بغیر فروخت نہیں کیا جا سکتا مالک کو یہ سودا قائم رکھنے یا منسوخ کرنے کا پورا اختیار ہوتا ہے۔ عقد بیع سے تعلق رکھنے والے مسئلے سے متعلق امام احمد رضا سے سوال ہوا کہ زید نے اپنی جائیداد عمرو کے پاس رہن رکھی، عمرو نے زید کی اجازت کے بغیر اُس رہن جائیداد کو بیع کر دیا۔ کیا زید اس بیع کو فسخ کر کے بیع شدہ جائیداد واپس لے سکتا ہے جتنی رقم میں اس کو فروخت کیا زید اتنی رقم ادا کر کے اپنی جائیداد واپس لینے کا حق رکھتا ہے۔

امام احمد رضا فرماتے ہیں بیع رہن شدہ جائیداد کو مالک کی اجازت کے بغیر فروخت نہیں کیا جا سکتا؛ شے کا مالک اس سودے کو ختم کر کے اپنی جائیداد واپس لے سکتا ہے۔ جائیداد کی قیمت ادا کرنا اس پر واجب نہیں؛ اس پر صرف قرض کی رقم واجب ہے؛ وہ قرض

خواہ کو قرض کی رقم ادا کرے گا۔اس نوعیت کا ایک مسئلہ امام احمد رضا کے سامنے پیش ہوا۔ رہن شے کا مالک اس شرط پر قرض حاصل کرتا ہے کہ دو ماہ کی مدت تک قرض کی رقم ادا نہ کرسکوں تو یہی رہن شدہ جائیداد بیع شدہ سمجھی جائے گی اور یہی قرض کی رقم اس جائیداد کی قیمت پر شرط عائد کرنے کے بعد جائیداد کا مالک اسی رہن شدہ جائیداد کے ایک مکان میں خود رہتا ہے اور کرایہ بھی رہن رکھنے والے کو ادا کرتا ہے اس صورت میں یہ جائیداد رہن شدہ سمجھی جائیگی یا بیع شدہ۔

امام احمد رضا اس مسئلے کے جواب میں فرماتے ہیں جائیداد کا مالک جو کرایہ رہن رکھنے والے کو ادا کرتا ہے یہ محض باطل ہے کیونکہ مالک کا اپنی ہی ملکیت والی شے کرائے پر جائز نہیں اور وہ کرایہ رہن رکھنے والے کو حرام ہے۔اسی طرح جو کرایہ رہن رکھنے والے نے دوسرے مکانات دکانوں سے حاصل کیا وہ کرایہ بھی مالک کا حق ہے۔اس پر لازم ہے کہ وہ سارا مالک کو واپس کردے۔دوسرا مسئلہ کہ رہن شدہ جائیداد کچھ عرصے بعد بیع شدہ سمجھی جائیگی اور رہن رکھنے والے کو اس جائیداد پر مالکانہ حقوق حاصل ہوں گے ایسی شرط طے کرنا باطل ہے عقد بیع کے معاملات محض ایک شرط پر طے نہیں ہوتے۔اس عقد کے لازم ہونے کی کچھ شرائط ہیں۔

خلاصہ تحقیق

دینِ اسلام نے ہر معاملے سے متعلق اپنی تعلیمات کو بیان کیا۔فقہائے کرام نے اپنے اپنے دور کے مسائل پر اپنی تحقیقات کو پیش کیا ہے جن سے راہنمائی حاصل کرکے دورِ حاضر میں مسائل میں حل کیا جاسکتا ہے۔امام احمد رضا نے عقدِ رہن سے متعلق مسائل کو تفصیلاً بیان کیا ہے خصوصاً رہن میں اِجارہ (کرایہ) اور بیع کے معلامات کو بیان کیا۔آپ کی بیان کی گئی تحقیق کے مطابق کسی عقد کو دوسرے عقد میں جمع کرنا محال ہے۔عقد رہن میں رہن شے کو کرائے پر دینا یہاں دو عقد جمع ہورہے ہیں جو کہ ناجائز ہیں۔کرائے پر دینے کی صورت میں وہ سارا منافع شے کے مالک کا حق ہے۔رہن رکھنے والے کا اس منافع میں کوئی حصہ نہیں ہے۔اسی طرح رہن رکھنے والا اپنے قرض کے حصول کے لیے اس رہن جائیداد کو فروخت نہیں کرسکتا۔فروخت کرنے کے بعد بھی مالک کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ اس سودے

کو قائم رکھے یا منسوخ کردے۔رہن شے کسی بھی صورت رہن رکھنے والے کی ملکیت نہیں ہوتی؛وہ صرف اس قرض کے عوض اس کے پاس امانت ہے۔قرض دار جب چاہے قرض کی رقم ادا کرکے اپنی شے کو واپس لینے کا حق رکھتا ہے۔

نتائج

اس تحقیق سے درج ذیل نتائج برآمد ہوئے:

(۱) عقدِ اجارہ اور عقدِ بیع دو الگ معاملات ہیں؛ان کے جواز کی الگ شرائط ہیں جو اس کے عقد کے لیے لازمی ہیں۔عقد رہن الگ معاملہ ہے اس میں اجارے کے جواز کی کوئی صورت نہیں نکلتی؛لہٰذا رہن شے کو کرائے پر دینا،فروخت کرنا ناجائز ہے۔

(۲) رہن رکھنے والے کو رہن شے کے استعمال،اس کو عاریتاً دینے،رہن رکھوانے، فروخت کرنے،کرائے پر دینے کا اختیار نہیں رہن شے کو بعینہٖ اسی حالت میں قائم رکھنے کا پابند ہے۔

(۳) عقد رہن میں اجارہ قائم ہوجائے تو عقد رہن باطل ہوجاتا ہے۔

(۴) امام احمد رضا نے عقد رہن میں اجارے اور بیع سے متعلق معاملات کو تفصیل سے بیان کیا،بغیر اجازت مالک کی اس شے کو فروخت نہیں کیا جاسکتا؛بغیر اجازت مالک کے اُس شے کو فروخت کردیا،مالک کو یہ بیع منسوخ کرنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔

(۵) رہن شے کو کرائے پر دے کر حاصل کیا گیا نفع شے کے مالک کا حق ہے رہن رکھنے والے کا اس منافع پر کوئی حق نہیں اور نہ ہی اس کے لیے منافع کے جائز ہونے کی کوئی صورت نکلتی ہے۔

(۶) آج کل کے دور میں رہن شے کو کرائے پر دیا جاتا ہے۔رہن رکھی دکانوں، مکانات،زمینوں سے انتفاع امام احمد رضا کے مطابق حرام اور سود کے زمرے میں شمار ہوتا ہے۔

عملی اطلاق

رہن رکھی ہوئی شے کو کرائے پر دینا اور فروخت کرنا،یا اُسے استعمال میں لانا ایسی تمام صورتیں ناجائز ہیں۔رہن رکھے گئے مکانات دکانوں،زمینوں سے انتفاع کے جواز کی کوئی

صورت نہیں نکلتی، ان تمام چیزوں کو قرض کے عوض رہن رکھوایا جاتا ہے۔ رہن رکھی گئیں زمینوں میں کھیتی باڑی کر کے نفع حاصل کرنا، رہن رکھنے والے کو ناجائز ہے۔ اسی طرح مکانوں دکانوں کو کرائے پر دے کر زیادہ نفع حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے وہ منافع حرام ہے بلکہ وہ سارا منافع شے کے مالک کا حق ہے امام احمد رضا کے بیان کردہ مسائل کی روشنی میں خصوصاً رہن شے کو کرائے پر دینے اور فروخت کرنے کے مسائل سے راہنمائی لے کر آج کل کے مسائل کو حل کیا جا سکتا ہے۔

دورِ حاضر میں بینکوں میں جو قرضوں کا لین دین ہوتا ہے کہ پراپرٹی کے کاغذات رہن رکھ کر یا زیورات کو رہن رکھ کر قرضے دیے جاتے ہیں۔ معیّنہ مدت گزرنے کے بعد وہ زیوارات اور پراپرٹی فروخت کر کے بینک اپنی رقم واپس لے لیتا ہے۔ رہن جائیداد کو فروخت کرنے کے بارے میں شرع نے جو صورتیں بیان کیں ہیں کہ مالک کی اجازت کے بغیر اس جائیداد کو فروخت نہیں کیا جا سکتا۔ شے کے مالک کو اس سودے کے قائم رکھنے یا منسوخ کرنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ امام احمد رضا نے رہن جائیداد مکانات دکانوں، زمینوں سے متعلق جن مسائل پر اپنی تحقیقات پیش کیں ہیں، خصوصاً رہن رکھی گئی زمینوں، مکانات سے متعلق مسائل کو امام احمد رضا کی بیان کردہ تحقیقات کی روشنی میں حل کر کے اس عقد کو شرعی اعتبار سے جائز بنایا جا سکتا ہے۔

مآخذ و مراجع

ـ دیکھیے بہارِ شریعت، مولانا امجد علی اعظمی، ج ر، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور۔

ـ دیکھیے کتاب الفقہ، عبدالرحمن الجزری، ج ر، مطبوعہ علماء اکیڈمی محکمۂ اوقاف پنجاب، ء؛ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، علاؤ الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی، ج ر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ؛ بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد، احمد بن رشد القرطبی، مطبوعہ دار التذکیر، لاہور، ء۔

ـ المرجع السابق، ج ر۔

ـ العطایہ النبویہ فی الفتاوی الرضویہ (مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات) امام احمد رضا بریلوی، ج ر، مطبوعہ رضا فاونڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور۔

ـ ایضاً:۔ ـ ایضاً:۔ ـ ایضاً:۔ ـ ایضاً:۔ ـ ایضاً:۔۔۔۔۔۔۔۔

میلاد شریف کی شرعی حیثیت

﴿علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ﴾

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔

سوال یہ ہے کہ ماہِ ربیع الاول میں حضور نبی مکرم نور مجسم ﷺ کا میلاد شریف منانے کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

کیا یہ شرعی نکتہ نظر سے محمود ہے یا مذموم ہے؟

اور کیا ان کا اہتمام کرنے والے کو ثواب ملے گا یا نہیں؟

تقریب مسرت:

میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ میلاد شریف دراصل ایک ایسی تقریب مسرت ہوتی ہے جس میں لوگ جمع ہو کر بقدر سہولت قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں اور نبی اکرم ﷺ کے ظہور سراپا نور کے سلسلے میں جو خوشخبریاں احادیث و آثار میں آئی ہیں اور جو خوارقِ عادات اور نشانیاں ظاہر ہوئی ہیں انہیں بیان کرتے ہیں پھر شرکائے محفل کے آگے دستر خوان بچھایا جاتا ہے وہ حسب عادت اور بقدر کفایت ماحضر تناول کرتے ہیں اور دعائے خیر کر کے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں۔ میلاد النبی ﷺ کے سلسلے میں منعقد کی جانے والی یہ تقریب عید، بدعت حسنہ ہے۔ جس کا اہتمام کرنے والے کو ثواب ملے گا۔ اس لئے کہ اس میں حضور نبی کریم ﷺ کی تعظیم شان اور آپ کی ولادت باسعادت پر فرحت وانبساط کا اظہار پایا جاتا ہے۔

میلاد شریف کی تاریخ:

میلاد شریف کو مروجہ اہتمام کے ساتھ منعقد کرنے کی ابتداء اربل کے حکمران سلطان

مظفر نے کی۔ جس کا پورا نام ابوسعید کوکبری بن زین الدین علی بن بکتگین ہے۔اس کا شمار عظیم المرتبت سلاطین اور فیاض امراء میں ہوتا ہے۔اس نے کئی اور نیک کارنامے بھی سرانجام دیئے اور یادگاریں قائم کیں۔کوہ تاسیون کے دامن میں جامع مظفری تعمیر کرائی۔ابن کثیر اس کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"سلطان مظفر ربیع الاول کے مہینے میں میلاد شریف کا نہایت شان وشوکت اور تزک و احتشام سے اہتمام کرتا تھا اور اس سلسلے میں ایک عظیم الشان جشن منعقد کرتا۔وہ ایک ذکی القلب، دلیر، بہادر زیرک عالم اور عادل حکمران تھا۔اللہ اس پر رحمت کرے۔اور معزز مقام و مرتبہ سے نوازے۔شیخ ابوخطاب بن دحیہ نے اس کے لئے میلاد شریف کے موضوع پر ایک کتاب بھی لکھی جس کا نام انہوں نے "التنویر فی مولد البشیر النذیر" رکھا۔جس پر سلطان نے انہیں ایک ہزار دینار انعام دیا۔وہ تا دمِ مرگ حکمران رہا۔اس کی وفات ۶۳۰ ھ میں شہر عکا میں ہوئی۔اس وقت اس نے فرنگیوں کا محاصرہ کر رکھا تھا۔مختصر یہ کہ انتہائی نیک سیرت اور پاک طینت آدمی تھا"۔

سبط ابن الجوزی نے مراۃ الزمان میں لکھا ہے کہ

"سلطان مظفر کے ہاں میلاد شریف میں شریک ہونے والے ایک شخص نے بیان کیا کہ اس نے خود شمار کیا کہ شاہی دسترخوان میں پانچ سوختہ بکریاں، دس ہزار مرغیاں ایک لاکھ آبخورے اور تیس ہزار ٹوکرے شیریں پھلوں سے لدے پڑے تھے"۔مزید لکھتے ہیں کہ میلاد شریف کی تقریب پر سلطان کے ہاں بڑے بڑے جید علماء اور جلیل القدر صوفیہ آتے جنہیں وہ خلعت واکرام شاہی سے نوازتا تھا۔صوفیہ کے لئے ظہر سے لے کر فجر تک محفل سماع ہوتی جس میں وہ بنفس نفیس شریک ہوتا اور صوفیہ کے ساتھ مل کر وجد کرتا۔ ہر سال میلاد شریف پر تین لاکھ دینار خرچ کرتا باہر سے آنے والوں کے لئے اُس نے ایک مہمان خانہ مخصوص کر رکھا تھا جس میں ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگ بلالحاظ مرتبہ، مختلف اطراف واکناس سے آکر ٹھہرا کرتے۔ اس مہمان خانہ پر ہر سال ایک لاکھ دینار خرچ اٹھتا تھا۔اسی طرح ہر سال دو لاکھ دینار فدیہ دے کر

فرنگیوں سے اپنے مسلمان قیدی رہا کراتا اور حرمین کی نگہداشت اور حجاز مقدس کے راستے میں (حجاج کرام کیلئے) پانی مہیا کرنے کے لئے تین ہزار دینار سالانہ خرچ کیا کرتا تھا۔یہ ان صدقات وخیرات کے علاوہ ہے جو پوشیدہ طور پر کئے جاتے اس کی بیوی ربیعہ خاتون بنت ایوب، جو سلطان ناصر صلاح الدّین کی ہمشیرہ تھی، بیان کرتی ہے کہ اس کی قمیص کرپاس موٹے (کھدر کی قسم کے کپڑے) کی ہوتی تھی جو پانچ درہم سے زیادہ لاگت کی نہیں ہوتی تھی۔کہتی ہے کہ ایک بار میں نے اس سلسلے میں انہیں ٹوکا تو انہوں نے کہا کہ میرے لئے پانچ درہم کا کپڑا پہن کر باقی صدقہ و خیرات کر دینا، اس سے کہیں بہتر ہے کہ میں قیمتی کپڑے پہنا کروں اور کسی فقیر اور مسکین کو خیر باد کہہ دوں"۔

میلاد شریف کے موضوع پر سب سے پہلی کتاب:

ابن خلکان نے حافظ ابوالخطاب ابن دحیہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی میں لکھا ہے۔

"وہ جید علماء اور مشاہیر فضلا سے تھے۔مغرب سے شام وعراق آئے۔راستے میں ۶۵۴ ھ میں اربل کے علاقہ سے گزرے۔اس کے حکمران ملک معظم مظفر الدین بن زین الدّین کو دیکھا کہ وہ میلاد النبی ﷺ منانے کا اہتمام کرتا ہے تو اُس کے لئے کتاب "التنویر فی مولد البشیر النذیر" لکھی اور خود اُسے پڑھ کر سنائی۔ہم نے اس کتاب کو سلطان کے ہاں ۶۲۵ ھ میں چھ نشستوں میں سنا ہے"۔

انکارِ میلاد پر فاکہانی کا رسالہ:

شیخ تاج الدین عمر بن علی لخمی اسکندری جو فاکہانی کی نسبت سے مشہور ہیں نے دعویٰ کیا ہے کہ میلاد شریف بدعت مذمومہ ہے۔انہوں نے اس سلسلے میں ایک مضمون لکھا ہے جس کا عنوان ہے المورد فی الکلام علی المولد ۔ذیل میں اسے پورے کا پورا نقل کرتا ہوں اور پھر حرف بحرف کلام کروں گا۔

کہا شیخ نے، اللہ ان پر رحم کرے: سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں حضور

سید المرسلین ﷺ کی اتباع کی ہدایت اور دین کے ارکان اور ضروری اُصولوں پر قائم رہنے کی توفیق بخشی اور سلف صالحین کے آثار اور طریقہ کی پیروی کو ہمارے لئے آسان بنایا۔ حتیٰ کہ ہمارے دل علم شرع کے انوار اور حق مبین کے دلائل قطعیہ سے پُر ہو گئے اور ہمارے باطن کو دین میں پیدا ہونے والی نئی نئی بدعتوں اور محدثات کی گندگی اور آلودگی سے پاک رکھا۔ میں اس کی حمد و شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے انوار یقین سے ہمیں منور فرمایا اور حبل متین کو مضبوطی سے پکڑے رکھنے کی ہمت بخشی اور یہ اس کا احسان و کرم ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ بیشک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہے اور بلاشبہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، اولین و آخرین کے سردار ہیں۔ اللہ جل مجدہٗ ان کے آل و اصحاب اور ازواج مطہرات پر، جو مومنوں کی مائیں ہیں قیامت کے دن تک درود و صلوٰۃ نازل فرمائے۔

اما بعد! سائلین کی ایک جماعت نے بتکرار یہ سوال کیا کہ ماہِ ربیع الاوّل میں بعض لوگ جو اجتماع کرتے ہیں اور اُسے مولود کا نام دیتے ہیں۔ کیا شریعت میں اس کی کوئی اصل ہے؟ یا یہ دین میں ایک نئی اختراع اور بدعت ہے؟۔

’’میں کہتا ہوں اور اللہ ہی توفیق عنایت فرمانے والا ہے کہ مجھے کتاب و سنت میں میلاد شریف کی کسی اصل کا علم نہیں ہو سکا۔ اور نہ علماء اُمت سے جو دین کے قائد اور متقدمین کے آثار پر قائم ہیں۔ اس کا عمل منقول ہوا ہے۔ بلکہ یہ سراسر بدعت ہے جسے فضول اور بے ہودہ لوگوں نے ایجاد کیا ہے۔ یہ ان بندگانِ شکم کی نہ بت نفس کی پیداوار ہے جو کھانے پینے کے بہانے ڈھونڈتے رہتے ہیں‘‘۔

’’دلیل اس کی یہ ہے کہ جب ہم اس پر شریعت کے احکامِ خمسہ وارد کرتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ یہ یا تو واجب ہوگی یا مندوب یا مباح یا مکروہ یا حرام ہوگی اور اس پر سبھی کا اجماع ہے کہ یہ واجب نہیں ہے، نہ ہی یہ مندوب ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ مندوب وہ امر ہوتا ہے جس کا شریعت نے مطالبہ تو کیا ہو لیکن نہ کرنے والے کی مذمت بھی نہ کی ہو (یعنی اس کے نہ کرنے پر کوئی

مواخذہ نہ ہو) میلاد شریف ایک ایسا کام ہے جس کا شریعت نے حکم نہیں دیا اور نہ ہی صحابہ اور تابعین نے اسے کیا ہے اور نہ ہی متقدمین علماء نے جن کا مجھے علم ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے دربار میں مجھ سے پوچھا گیا تو میرا یہی جواب ہوگا کہ اس پر اہل اسلام کا اجماع ہے کہ دین میں کوئی بدعت مباح نہیں ہو سکتی۔ اب دو ہی صورتیں باقی رہ گئیں کہ یا تو یہ مکروہ ہوگی یا حرام، ذیل میں انہی کے بارے میں الگ الگ گفتگو ہوگی اور دونوں حالتوں میں جو فرق ہے اسے بیان کیا جائے گا‘‘۔

’’ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے ذاتی مال سے میلاد شریف کا اہتمام کرے۔ اپنے اہل و عیال اور دوست احباب کو دعوت دے۔ وہ اس میں شریک ہو کر کھانا کھائیں اور کوئی خلاف شرع کام نہ کریں۔ اسی کو ہم بدعت مکروہ اور شناعہ کہتے ہیں۔ اس لئے کہ متقدمین پیشوایانِ دین، یعنی فقہاء اسلام اور علماء انام جو کہ ہر دور اور جگہ کے لئے چراغ ہدایت اور زینت عالم ہیں، میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا‘‘۔

’’دوسری صورت میں گناہ کا عنصر غالب ہوتا ہے۔ نمود و نمائش اور داد و دہش کے مظاہرے میں حصہ لینے والوں کی عزت نفس مجروح ہوتی ہے اور ان میں دریوزہ گری اور محرومی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ جب کوئی چیز ملتی ہے تو نفس اسے کوستا اور دل ملامت کرتا ہے اور یوں غم و افسوس میں مبتلا ہو کر رنجیدہ و کبیدہ خاطر ہو جاتا ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ حیا و شرم کے ساتھ مال لینا (جس سے عزت نفس کے مجروح ہونے کا احساس ہو) تلوار کے ساتھ مال لینے کے برابر ہے۔ خاص کر جب اس محفل میں بھرے پیٹوں کے ساتھ ڈھول ڈھمکے اور باجے گاجے ایسے آلاتِ موسیقی کے ذریعے راگ اور سُرود بھی مل جائے، مردوں، نوعمر لڑکوں اور بے پردہ عورتوں کے ساتھ اجتماع کی صورت ہو جنہوں نے بناؤ سنگار کر رکھا ہو اور باہم مخلوط ہوں یا اُوپر سے محفل کا تماشا کر رہی ہوں اس کے ساتھ رقص، کبھی کمر کو جھکا کر اور کبھی بازوؤں اور رخوں کا اِدھر اُدھر موڑ کر ہو رہا ہو اور یوں لہو و لعب اور روزِ آخرت کی فراموشی کا عالم ہو، عورتوں کی الگ محافل بھی کچھ کم فتنہ انگیز نہیں ہوتیں، جہاں وہ اپنی آواز بلند کرتی ہیں اور مزے لے لے کر گاتی ہیں، ذکر و تلاوت کے وقت

حدِ شرع سے تجاوز کرتی ہیں۔ بلکہ عام حد سے بھی آگے نکل جاتی ہیں۔ یعنی خواہ مخواہ چیخ چیخ کر آوازیں نکالتی ہیں اور یوں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے سراسر غفلت کا ثبوت دیتی ہیں۔

اِنَّ رَبَّکَ لَبِالْمِرْصَاد۔

بیشک تیرا رب گھات میں ہے۔

''ایسی محفل کے حرام ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں ہوسکتا۔ اور کوئی مہذب اور دیندار آدمی اس کو بہ نظر استحسان نہیں دیکھ سکتا، جن کے دِل مرچکے ہوں اور جو ابھی تک گناہ و معصیت سے آزاد نہیں ہوسکے، وہی اس میں لذت پاتے ہیں اور ستم ظریفی یہ کہ وہ اس کو عبادت بھی سمجھتے ہیں اور ممنوع و حرام خیال نہیں کرتے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بَدَ اْلاسْلَامُ غَرِیْبًا وَسَیَعُود کَمَا بَدَاَ۔

ترجمہ: اسلام غریب ہی شروع ہوا۔ اور عنقریب اس کی پہلی حالت لوٹ آئے گی۔

ہمارے شیخ قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس معاملے میں جس کو ہم نے جائز بنا رکھا ہے۔ کیا خوب کہا ہے۔

قَدْ عُرِفَ الْمُنْکَرُ وَاسْتُنْکِرَ الْمَعْرُوْفُ فِیْ اَیَّامِنَا الصَّعْبَۃِ۔

ہمارے پُر آشوب دور میں، منکر معروف اور معروف منکر ہوگیا ہے۔

وصار اهل العلم فی وهدة — وصار اهل الجهل فی رتبة

اہل علم پست اور بے قدر — اور جاہل بلند مرتبہ بن گئے ہیں

حادوا عن الحق فما للذی — ساروا به فیما مضی نسبة

حق سے دور ہوگئے ہیں انکے طریقے کو — طریق سلف سے کوئی نسبت نہیں ہوسکتی

فقلت للابرار اهل التقی — والدین لما اشتدت الکربة

شدت کرب میں ہیں نے ابرار (نیک لوگوں) — جو اصحاب تقویٰ اور اہل دین ہیں سے کہا

لاتنکروا احوالکم قد أتت — نوبتکم فی زمن الغربه

اپنے احوال سے پریشان نہ ہوجاؤ کہ تمہاری — باری زمانہء غربت میں آئی ہے

امام ابوعمرو بن العلاء نے کیا خوب فرمایا:

لا یزال الناس بخیر — ما تعجب من العجب

لوگ ہمیشہ نیکی پر رہیں گے (یعنی نیکی کا وجود دنیا سے کبھی ختم نہ ہوگا) اس عجیب دور سے گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔

مزید برآں ربیع الاوّل صرف حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کا ہی نہیں بلکہ آپ کے وصال کا بھی مہینہ ہے۔ اس لئے اس میں خوشی و مسرت کا اظہار، غم وحزن سے بہتر نہیں ہوسکتا۔ محفل میلاد کے بارے میں ہم یہی کچھ کہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے حسن قبول کی توقع رکھتے ہیں۔

مذکورہ بالا رسالہ کا ردّ:

فاکہانی نے اس مختصر سے مضمون میں جو کچھ کہا ہے، اب اس پر میری گفتگو ملاحظہ فرمایئے۔

اعتراض نمبر 1 اور اس کا جواب:

اس کا کہنا کہ کتاب وسنت میں مجھے میلاد شریف کی کسی اصل کا علم نہیں ہوسکا۔ تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ کسی چیز کے علم کی نفی اس کے وجود کی نفی کو مستلزم نہیں (یعنی ضروری نہیں کہ جس چیز کا کسی کو علم نہ ہو وہ درحقیقت موجود بھی نہ ہو) امام الحفاظ ابوالفضل احمد بن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے میلاد شریف کی اصل سنت سے نکالی ہے۔ جس کا ذکر بعد میں آئیگا۔

اعتراض نمبر 2 اور اسکا جواب:

اور فاکہانی کا یہ کہنا کہ یہ بدعت ہے جسے فضول اور بیہودہ لوگوں اور پیٹ کے اُن بندوں نے ایجاد کیا ہے جن پر شہوت نفس کا غلبہ ہے اور پھر بدعت کی مختلف قسمیں بیان کرکے یہ کہنا کہ یہ نہ تو واجب ہے، نہ مندوب، اس لئے کہ نہ تو شرع ہی نے اس کا مطالبہ کیا ہے اور نہ صحابہ وتابعین اور نہ ہی متقدمین علماء نے اُسے منعقد کیا ہے۔

اس سلسلے میں ہم کہتے ہیں جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کہ اسے ایک سلطانِ عادل وعالم نے ایجاد کیا۔ جس سے اس کا مقصد تقرب الی اللہ کا حصول تھا۔ اس کے پاس بہت سے علماء وصلحاء موجود تھے مگر کسی نے اس پر نکیر نہیں کی۔ بلکہ ابن دحیہ (ایسے یگانہ روزگار عالم دین نے) اسے پسند کیا اور اس موضوع پر، اس کے لئے ایک کتاب لکھی (جس کا اوپر ذکر آچکا ہے) یہ سب متقدمین علماء ہی تھے، جنہوں نے میلاد شریف کو پسند کیا، اس کی تائید وتوثیق کی اور مذمت یا تردید نہیں کی (جو اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ فاکہانی نے جو کچھ بیان کیا ہے، غلط ہے)

رہا اس کا یہ کہنا کہ یہ مندوب بھی نہیں۔ اس لئے کہ مندوب حقیقت میں وہ امر ہوتا ہے جس کا شرع نے مطالبہ کیا ہو، اس سلسلے میں گذارش ہے کہ مندوب کے بارے میں شرع کا مطالبہ کبھی تو نص کے ذریعے سے معلوم ہوتا ہے اور کبھی قیاس کے ذریعے۔ میلاد شریف کے بارے میں اگر چہ نص وارد نہیں ہوئی۔ تاہم ان دو اصلوں سے جن کا ذکر آگے آئے گا، قیاس ضرور ہوتا ہے۔ (یعنی ان دو اصلوں پر قیاس کر کے اس کے ندب کا اندازہ کیا جا سکتا ہے)

اعتراض نمبر 3 اور اسکا جواب:

اور اس کا یہ کہنا کہ میلاد شریف مباح بھی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ اس پر اہل اسلام کا اجماع ہے کہ جو چیز دین میں بدعت ہے وہ مباح نہیں ہو سکتی۔

یہ ایسی بات ہے جو غیر مسلمہ ہے۔ اس لئے کہ بدعت صرف حرام یا مکروہ ہی نہیں ہوتی بلکہ مباح بھی ہوتی ہے۔ مندوب بھی اور واجب بھی۔

علمائے اُمت کی کتب سے بدعت کی مختلف اقسام کا بیان:

اوّلاً: امام نووی "تہذیب الاسماء واللغات" میں فرماتے ہیں۔

اَلْبِدْعَةُ فِی الشَّرْعِ هِیَ اِحْدَاثُ مَالَمْ یَكُنْ فِیْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَهِیَ مُنْقَسِمَةٌ اِلٰی حَسَنَةٍ وَّقَبِیْحَةٍ۔

ترجمہ: "بدعت شرعی اصطلاح میں اس نئی چیز کو کہتے ہیں، جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں

نہیں تھی۔ اس کی دو قسمیں ہیں، بدعت حسنہ اور بدعت قبیحہ (جسے عام طور پر بدعت سیئہ بھی کہتے ہیں)"۔

ثانیاً: شیخ عزیز الدین بن عبد السلام "القواعد" میں لکھتے ہیں:

اَلْبِدْعَةُ مُنْقَسِمَةٌ اِلٰی وَاجِبَةٍ وَمُحَرَّمَةٍ وَمَنْدُوْبَةٍ وَمَكْرُوْهَةٍ وَمُبَاحَةٍ قَالَ وَالطَّرِیْقُ فِیْ ذٰلِكَ اَنْ تَعْرَضَ الْبِدْعَةِ عَلٰی قَوَاعِدِ الشَّرِیْعَةِ فَاِذَا دَخَلَتْ فِیْ قَوَاعِدِ الْاِیْجَابِ فَهِیَ وَاجِبَةٌ اَوْفِیْ قَوَاعِدِ التَّحْرِیْمِ فَهِیَ مُحَرَّمَةٌ اَوِالنَّدْبِ فَمَنْدُوْبَةٌ اَوِالْمَكْرُوْهَةِ فَمَكْرُوْهَةٌ وَالْمُبَاحِ فَمُبَاحَةٌ۔

ترجمہ: "بدعت کی کئی قسمیں ہیں، واجب، حرام، مندوب، مکروہ اور مباح۔ اور یہ جاننے کے لئے کہ کوئی چیز کس قسم کی ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اس بدعت کو شریعت کے قواعد پر پرکھیں۔ اگر یہ قواعد ایجاب میں داخل ہو تو یہ واجب ہے۔ اگر تحریم میں تو یہ حرام ہے۔ اگر ندب میں تو یہ مندوب ہے۔ اگر مکروہ میں تو یہ مکروہ ہے۔ اگر اباحت میں تو یہ مباح ہے"۔

اس کے بعد انہوں نے بدعت کی ان پانچ قسموں کی مثالیں بیان کی ہیں اور لکھا ہے۔

وَلِلْبِدَعِ الْمَنْدُوْبَةِ اَمْثِلَةٌ مِنْهَا اِحْدَاثُ الرُّبُطِ وَالْمَدَارِسِ وَكُلُّ اِحْسَانٍ لَمْ یُعْهَدْ فِی الْعَصْرِ الْاَوَّلِ، وَمِنْهَا التَّرَاوِیْحِ وَالْكَلَامِ فِیْ دَقَائِقِ التَّصَوُّفِ وَفِی الْجَدَلِ وَمِنْهَا جَمْعُ الْمَحَافِلِ لِلْاِسْتِدْلَالِ فِی الْمَسَائِلِ اِنْ قَصَدَ بِذٰلِكَ وَجْهَ اللّٰهِ تَعَالٰی۔

ترجمہ: "بدعت مندوبہ کی کئی مثالیں ہیں۔ مثلاً مسافر خانے اور مدرسے بنانا ہے اور ہر قسم کا کار خیر جو پہلے زمانے میں نہیں کیا گیا (اور بعد میں ایجاد ہوا) مثلاً تراویح، دقائق تصوف کا بیان، علم کلام ومناظرہ اور مسائل میں استدلال کے لئے محافل کا انعقاد، بشرطیکہ ان سے رضائے الٰہی کا حصول مدنظر ہو"۔

ثالثاً: بیہقی نے مناقب شافعی میں خود امام شافعی سے، اپنی اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے کہ

اُنہوں نے فرمایا:

اَلْمُحْدَثَاتُ مِنَ الْاُمُوْرِ ضَرْبَانِ اَحَدُهُمَا أُحِدِثَ مِمَّا يُخَالِفُ كِتَابًا أَوْسُنَّةً او اَثَرًا اَوْ اِجْمَاعًا فَهٰذِهِ الْبِدْعَةِ الضَّلَالَةَ وَالثَّانِىُ مَا أُحدثَ مِنَ الْخَيْرِ لَا خِلَافَ فِيْهِ لِوَاحِدٍ مِنْ هٰذَا وَهٰذِهٖ مُحْدَثَةٍ غَيْر مَذْمُوْمَة وَقَدْ قَالَ عُمَر رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ فِىْ قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ نعمت البِدْعَةِ هٰذِهٖ يَعْنِى اِنَّهَا مُحْدَثَةٌ لَمْ تَكُنْ وَ اِذَا كَانَتْ فَلَيْسَ فِيْهَا رَدٌّ لِمَا مَعْنٰى۔

ترجمہ ''بدعات کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو کتاب وسنت اور اثر واجماع کے خلاف ہو، یہ بدعت ضلالۃ ہے۔ دوسری وہ جسے کسی نیک مقصد کے لئے ایجاد کیا گیا ہو اور کتاب وسنت اور اثر واجماع میں سے کسی کے مخالف نہ ہو۔ ایسی بدعت غیر مذمومہ ہے (یعنی شرعاً اس میں کوئی برائی نہیں) جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قیامِ رمضان (تراویح) کے بارے میں فرمایا نعمت البدعة هذه (کتنی اچھی بدعت ہے یہ!) یعنی یہ ایسی اختراع ہے جو پہلے نہیں تھی اور اب شروع ہوئی ہے مگر اس میں پہلی کسی چیز کی تردید نہیں پائی جاتی''۔

بدعت مندوبہ:

اس سے شیخ تاج الدین فاکہانی کی اس عبارت کی بھی تردید ہوگئی جس میں انہوں نے کہا کہ میلاد شریف مباح بھی نہیں ہوسکتی، بلکہ یہ بدعت مکروہہ ہے۔ چونکہ یہ ایجاد کردہ اُمور کی اس قسم سے ہے جس میں کتاب وسنت اور اثر واجماع میں کسی کی مخالفت نہیں پائی جاتی۔ اس لئے یہ غیر مذموم ہے (یعنی شرعی نکتہ نظر سے اس میں کوئی برائی نہیں) جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں ہے اور یہ کارِ خیر ہے جسے اگرچہ (بصورتِ موجودہ) عصر اوّل میں نہیں کیا گیا اور بعد میں ایجاد ہوئی ہے۔ کھانے کی دعوت جس میں کسی گناہ کا ارتکاب نہ ہو۔ نیکی ہی کا کام تو ہے۔ لہٰذا میلاد شریف کے سلسلے میں ایسا اجتماع جس میں کوئی آدمی اپنے خالص مال سے اپنے اہل وعیال اور دوست احباب کیلئے کھانے کی دعوت کرے اور اس میں کسی خلاف شرع امور کا ارتکاب نہ ہو،

بدعت مندوبہ ہے جیسا کہ ابن عبدالسلام کے مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہے۔

حرام ومکروہ باتیں:

فاکہانی نے جو دوسری صورت بیان کی ہے اور اس پر جو تنقید کی ہے وہ فی نفسہٖ صحیح ہے بلاشبہ ایسی محفل جس میں مرد عورتیں، جوان، نوعمر لڑکے باہم خلط ملط ہوں اور جس میں رقص وسرود اور چنگ ورباب کی گرم بازاری ہو یا ایسی محفل جس میں عورتیں الگ جمع ہو کر بلند آواز سے گاتی ہوں حرام ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ میلاد شریف کا منعقد کرنا ہی حرام ٹھہرا۔ بلکہ مذکورہ بالا صورتوں میں حرمت میلاد شریف ۔ کے سلسلے میں اجتماع منعقد کرنے کی وجہ سے نہیں بلکہ ان چیزوں کی بناء پر ہے جو شریعت میں حرا ین۔ اور اس مبارک اجتماع کے ساتھ مل گئی ہیں۔ (اور اگر ان چیزوں کو نہ کیا جائے تو میلاد شریف۔ ذکر مصطفیٰ ﷺ کی محفل ہوگی اور سراپا خیر وبرکت ہوگی) بلکہ اگر اس قسم کے امور مثلاً نماز جمعہ۔ کے اجتماع میں پیش آئیں تو ظاہر ہے کہ یہ ایک قبیح حرکت اور بُری بات تو ہوگی مگر اس سے نمازِ جمعہ ۔ مل اجتماع کی مذمت لازم نہیں آتی۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ اس قسم کے بعض اُمور رمضان شریف کی راتوں میں بھی جب نمازِ تراویح کے لئے لوگ جمع ہوتے ہیں پیش آجاتے ہیں تو کیا ان اُمور ، وجہ سے نمازِ تراویح کے اجتماع کی مذمت کا تصور کیا جاسکتا ہے؟۔ ہرگز نہیں، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ نمازِ تراویح کا اصل اجتماع تو سنت ہے اور نیکی اور عبادت کا کام ہے۔ مگر جو مذکورہ بالا قسم کے اُ راس کے ساتھ مل گئے ہیں، قبیح اور شنیع ہیں۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں میلاد شریف کے سلسلے مد عقد کیا جانے والا اجتماع تو بذاتِ خود مندوب اور نیکی کا کام ہے، مگر مذکورۃ الصدر قسم کے جو دیگر ا راس کے ساتھ مل گئے ہیں۔ مذموم وممنوع ہیں۔

آخری اعتراض اور اس کا رد

آخر میں فاکہانی کا یہ کہنا کہ ربیع الاوّل شریف تو حضور ﷺ کی ولادت کے ساتھ آپ کی وفات کا مہینہ بھی ہے۔ لہٰذا اس میں غم وحزن کی بجائے خوشی ومسرت کا اظہار بہتر ومناسب نہیں۔

اس کے جواب میں اول تو یہ عرض ہے کہ حضور سید عالم ﷺ کی ولادت مبارک ہم پر، اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے اور آپ کا انتقال ہمارے لئے سب سے بڑی مصیبت، مگر شریعت نے نعمتوں پر اظہار شکر کی ترغیب دلائی ہے اور مصائب پر صبر وسکون اور خاموشی کی تلقین کی ہے۔ شریعت نے ولادت کے موقع پر عقیقہ کرنے کا حکم دیا ہے، جس سے بچے کی پیدائش پر خوشی و شکر کا اظہار ہوتا ہے اور موت کے وقت جانور ذبح کرنے کا حکم نہیں دیا اور نہ ہی ایسی اور بات کا بلکہ نوحہ اور جزع وفزع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ لہٰذا قواعد شریعت اس پر دلالت کرتے ہیں کہ اس ماہِ مقدس میں حضور ﷺ کی ولادت کے سلسلے میں خوشی منانا انتقال پر غم کرنے سے بہتر ہے۔

ابن رجب نے "کتاب اللطائف" میں روافض کی مذمت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "انہوں نے حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے باعث عاشورہ کو یوم ماتم بنایا ہے حالانکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے انبیاء کے مصائب اور وفات کے ایام کو بھی ایام ماتم بنانے سے منع کر دیا ہے چہ جائیکہ ان کے علاوہ کسی اور کے لئے یہ اہتمام کیا جائے"۔

ابن الحاج رحمہ اللہ تعالیٰ کا مؤقف:

امام ابوعبداللہ بن الحاج رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب "المدخل" میں میلاد شریف کے موضوع پر بڑی پختگی اور مُجوری سے کلام کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ انہوں نے میلاد شریف کی خوشی منانے اور اس پر شکر کا اظہار کرنے کی تعریف کی ہے اور اس میں جو حرام وممنوع چیزیں شامل ہو گئی ہیں ان کی مذمت کی ہے یہاں میں ان کا کلام فصل وار درج کرتا ہوں۔

کچھ میلاد کے بارے میں:

من جملہ ان بدعات کے جو ان لوگوں نے ایجاد کر رکھی ہیں اور اس کے ساتھ ہی وہ یہ اعتقاد بھی رکھتے ہیں کہ یہ بہت بڑی عبادت اور اظہار شعائر (کسی امرِ عظیم کی یادگار منانا) ہے۔ اس لئے وہ ربیع الاول کے مہینے میں میلاد کرتے ہیں جو بہت سی بدعات اور محرمات پر مشتمل ہوتی ہے۔ ان میں چند یہ کہ شرکاء نغمے اور غزلیں گاتے ہیں اور اس کے ساتھ آلات موسیقی، ڈھولکیاں،

بانسریاں اور سارنگیاں وغیرہ استعمال کرتے ہیں اور اس سلسلے میں کئی اور بُری حرکتیں کرتے ہیں جو اکثر رسمی طور پر وہ ان اوقات میں کیا کرتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے فضیلت وعظمت سے نوازا ہے (مثلاً عید وغیرہ کے مواقع پر) اور جو سراسر بدعات ومحرمات ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس طرح کا سماع اگر اس کے علاوہ دوسری راتوں میں بھی کیا جائے تو ناجائز ہے، چہ جائیکہ اسی ماہِ مقدس میں جسے خدائے بزرگ وبرتر نے یہ فضیلت وبرکت بخشی ہے کہ اپنے محبوب ﷺ کو اس میں پیدا کیا ایسا سماع کیا جائے جس میں آلات، طرب کا استعمال ہو۔ ایسے سماع کو اس ماہِ مبارک سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ جس میں اللہ جل مجدہٗ نے ہم پر حضور سید الاولین والآخرین ﷺ کی ولادت باسعادت کا احسان عظیم فرمایا ہے۔ لہٰذا واجب ہے کہ اس مہینے میں خاص طور پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالایا جائے اور زیادہ سے زیادہ عبادت وخیرات کی جائے کہ اس نے ہمیں اس نعمت کبریٰ سے سرفراز فرمایا ہے (کہ اپنے محبوب ﷺ کو اس میں پیدا فرمایا) اگرچہ نبی کریم ﷺ نے اس مہینے میں دوسرے مہینوں کی نسبت زیادہ عبادت نہیں فرمائی (اور نہ ہی اس کا حکم دیا گیا ہے) مگر حضور ﷺ کا ایسا کرنا دراصل اپنی اُمت پر رحمت وشفقت کے باعث تھا اور ان کے لئے نرمی و آسانی پیدا کرنے کے لئے تھا۔ اس لئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کوئی عمل چھوڑ دیتے تھے تا کہ کہیں یہ آپ کی اُمت پر فرض نہ ہو جائے اور یہ حضور ﷺ کی ہم پر رحمت کا نتیجہ ہے۔

یوم میلاد اور صاحب میلاد ﷺ کے فضائل:

تاہم حضور ﷺ نے ایک سائل کے جواب میں اس ماہِ عظیم کی فضیلت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ جب سائل نے آپ ﷺ سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں استفسار کیا۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا ذَاکَ یَوْمٌ وُلِدْتُ فِیْہِ۔ یہ میرا روزِ ولادت ہے۔ (الحدیث)

چنانچہ اس دن (یعنی پیر) کی فضیلت اس مہینے (یعنی ربیع الاول شریف) کی فضیلت کو متضمن ہے، جس میں حضور ﷺ جلوہ فرمائے عالم ہوئے اس لئے ہمیں چاہئے کہ اس کے احترام کا حق ادا کریں اور اس کو اسی طرح افضل سمجھیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے دیگر مبارک مہینوں کو افضل

قرار دیا ہے۔ اس ضمن میں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔

اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ۔

ترجمہ: ’’میں اولادِ آدم کا سردار ہوں اور اس میں کوئی فخر نہیں‘‘۔

اٰدَمَ فَمَنْ دُوْنَهٗ تَحْتَ لِوَائِیْ۔

ترجمہ: ’’آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ دیگر تمام انبیاء (قیامت کے دِن) میرے جھنڈے تلے ہوں گے‘‘۔

اوقات و مقامات کی فضیلت، ان عبادات کے باعث ہوتی ہے جو ان میں کی جاتی ہیں اور جن سے اللہ تعالیٰ نے انہیں خصوصیت بخشی ہے۔ جب یہ معلوم ہوگیا کہ اوقات و مقامات کو بذات خود کوئی شرافت و بزرگی حاصل نہیں ہوتی بلکہ یہ شرافت و بُزرگی ان خصائص و امتیازات کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے (جن سے اسے سرفراز فرمایا جاتا ہے) تو غور کرو اس عظیم ترین نعمت پر، جس سے اللہ تعالیٰ نے اس ماہِ مبارک ربیع الاوّل شریف کو پیر کے دن کو مخصوص و ممتاز فرمایا ہے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ پیر کے دن کے روزہ کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ اس لئے کہ حضور ﷺ اس میں پیدا ہوئے۔ اس لئے نہایت مناسب ہے (اور ہمیں چاہئے) کہ جب یہ ماہِ مقدس آئے تو اس کے شایانِ شان اس کی تعظیم و تکریم اور اجلال و احترام کیا جائے اور حضور ﷺ کی پیروی کی جائے کہ حضور بذاتِ خود، افضل اوقات میں زیادہ سے زیادہ نیکیاں اور خیرات کرتے اور ان کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے۔ کیا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول تمہاری نظر سے نہیں گزرا کہ۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ وَكَانَ اَجْوَدَ مَا يَكُوْنُ فِيْ رَمَضَانَ۔

ترجمہ: ’’رسول اللہ ﷺ سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور رمضان شریف میں سب سے زیادہ سخاوت کرتے تھے‘‘۔

احترامِ ربیع الاوّل کیوں ضروری ہے؟
اور اس سلسلے میں ایک اشتباہ کا ازالہ!

اس لئے فضیلت والے اوقات کی۔ جیسے حضور ﷺ نے تعظیم فرمائی۔ ہم بھی اپنی استطاعت کے مطابق ربیع الاول شریف میں یہی فریضہ سرانجام دیتے ہیں اور اگر کوئی یہ کہے کہ حضور ﷺ نے اوقاتِ فاضلہ کے سلسلے میں جو التزام فرمایا ہے وہ تو معلوم ہے لیکن جو التزام دوسرے مہینوں میں فرمایا ہے وہ اس مہینے (یعنی ربیع الاول شریف) میں نہیں فرمایا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات تو اچھی طرح معلوم ہے کہ حضور ﷺ کی یہ عادتِ کریمہ تھی کہ آپ اُمت کے لئے تخفیف چاہتے تھے۔ خاص کر ان اُمور میں جو آپ کی ذات کے ساتھ خاص تھے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ حضور سید عالم ﷺ نے مدینہ منورہ کو اسی طرح حرام قرار دیا جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو قرار دیا تھا۔ مگر آپ نے مدینہ میں شکار کرنے، درخت کاٹنے وغیرہ پر کوئی سزا مقید نہیں فرمائی اور ایسا اُمت کے لئے تخفیف و رحمت کے طور پر کیا۔ گویا حضور ﷺ یہ دیکھا کرتے تھے کہ کون سی چیز ان کی اپنی ذات سے خاص ہے۔ اگرچہ وہ فی نفسہٖ فضیلت ہوتی۔ لیکن آپ اُمت پر تخفیف کی خاطر اُسے چھوڑ دیتے۔ ربیع الاول شریف کی تعظیم اسی قبیل سے ہے کہ اس میں زیادہ سے زیادہ نیک اعمال اور صدقات و خیرات کئے جائیں۔ جو ایسا نہیں کر سکتا (یعنی کسی وجہ سے ان اُمور کو سرانجام نہیں دے سکتا) تو کم از کم اسے یہ چاہئے کہ اس مقدس مہینے کی تعظیم کے پیش نظر حرام اور مکروہ باتوں سے مجتنب رہے۔ اگرچہ یہ اُمور دوسرے مہینوں میں بھی کرنے مطلوب ہیں مگر یہ مہینہ تو سب سے زیادہ احترام کے لائق ہے جیسا کہ رمضان المبارک اور دوسرے حرمت والے مہینوں میں زیادہ محتاط رہا جاتا ہے۔ حدث فی الدین کو چھوڑ دیا جاتا ہے اور دوسری غیر مناسب باتوں سے اجتناب کیا جاتا ہے۔

ابن الحاج کی تنقید:

مگر موجودہ زمانے میں بعض لوگ اس کے برخلاف عمل کرتے ہوئے پائے جاتے

ہیں اور وہ یہ کہ جب یہ بابرکت مہینہ آتا ہے۔ آلاتِ موسیقی کے ساتھ لہو ولعب میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ وہ راگ رنگ کرتے ہیں اور پھر یہ زعم رکھتے ہیں کہ وہ اس ماہِ مبارک کا احترام کررہے ہیں۔ طرفہ یہ کہ وہ قرآن مجید کی تلاوت سے میلاد کی ابتداء کرتے ہیں اور پھر لذت نفس کے لئے جذبات میں اضطراب و ہیجان پیدا کرنے کے فن میں جو زیادہ ماہر ہو جاتا ہے اس کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ اس میں کئی مفاسد اور خرابیاں کارفرما ہیں۔ مگر وہ اسی پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ بعض تو اس میں ایک اور خطرناک بات کا اضافہ بھی کر لیتے ہیں کہ مغنی نوجوان ہوتا ہے۔ خوبصورت، خوش آواز، نفیس لباس اور حسین ہیئت رکھتا ہے۔ غزل پڑھتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ آواز میں زیر و بم اور حرکات میں اُتار چڑھاؤ پیدا کرتا جاتا ہے اور یوں حاضرین مرد اور عورتوں کو فتنہ میں ڈال دیتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ فریقین فتنہ کا شکار ہو جاتے ہیں اور دیگر بے شمار خرابیاں جڑ پکڑتی ہیں۔ بعض انتہائی صورتوں میں اس سے مرد اور بیوی کا حال تباہ ہو جاتا ہے۔ اور ان میں جدائی تک کی نوبت آجاتی ہیاور یوں تباہی و بربادی کا وہ دور شروع ہوتا ہے جس سے بنا بنایا گھر اُجڑ جاتا ہے اور ذہن و قلب کا سکون لٹ جاتا ہے۔ یہ خرابیاں اس قسم کا میلاد کرانے کا نتیجہ ہوتی ہین۔ جب ساتھ سماع بھی کیا جائے۔ ہاں اگر میلاد شریف ان خرابیوں (اور اس قسم کے سماع) سے خالی ہو۔ صرف کھانا پکایا جائے اور اس سے میلاد کی نیت ہو۔ اس میں اپنے مسلمان بھائیوں کو بلائے اور جن غیر شرعی اُمور اور حرکاتِ مذبوحی کی اوپر نشاندہی کی گئی ہے ان سے محفوظ ہو تو یہ محض اس کی نیت کی وجہ سے بدعت ہے۔ کیونکہ یہ دین میں ایک زائد چیز ہے اور سلف صالحین نے اسے نہیں کیا اور ظاہر ہے کہ سلف کی اتباع ہی بہتر اور اولیٰ ہے۔ سلف مین سے کسی سے یہ نقل نہیں کیا گیا اور نہ ہی کسی کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ اس نے میلاد کی نیت کی اور ہم انہی کے پیرو ہیں اور اسی کے مکلف جس کے وہ تھے (اس لئے ہم وہی کریں گے جو انہوں نے کیا)۔

حاصل تنقید:

ابن الحاج کے مذکورۃ الصدر بیان کا حاصل یہ ہے کہ اُنہوں نے میلاد شریف کی مذمت

نہیں کی۔ بلکہ ان چیزوں کی مذمت کی ہے جو شرعاً حرام و مکروہ ہیں۔ ان کے آغازِ کلام سے واضح ہے کہ اس ماہِ مقدس کو خصوصیت دی جائے اور اس کی تعظیم و تکریم کی جائے۔ اس میں زیادہ سے زیادہ نیک کام کئے جائیں۔ بڑھ چڑھ کر عبادت و خیرات وصدقات اور ایسی ہی دوسری نیکیاں کی جائیں میلاد شریف منانے کا یہ وہ طریقہ ہے، جسے اُنہوں نے مستحسن قرار دیا ہے، کیونکہ اس میں تلاوتِ قرآن مجید اور دعوتِ طعام کے سوا کچھ نہیں ہوتا اور یہ خیر وثواب کا کام ہے جہاں تک ان کے اس قول کا تعلق ہے کہ یہ بدعت ہے تو یہ یا تو ان کے پہلے بیان کے خلاف ہے (جس میں خود ابن الحاج نے ربیع الاول شریف کی تعظیم پر زور دیا ہے) یا اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ بدعت حسنہ ہے جس کی اُوپر وضاحت آچکی ہے یا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ میلاد شریف ایک کارِ خیر اور پسندیدہ کلام ہے اور بدعت میلاد کی نیت ہے جیسا کہ اپنے اس قول میں انہوں نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔ فھو بِدْعَةٌ بِنَفْسِ نِیَّتِہٖ فقط یعنی یہ محض اس کی نیت کی وجہ سے بدعت ہے۔

اس کا علمی محاسبہ:

رہا ابن الحاج کا یہ کہنا کہ سلف میں سے کسی کے بارے میں نقل نہیں کیا گیا۔ کہ اس نے میلاد کی نیت کی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُنہوں نے میلاد کی نیت کو مکروہ کہا ہے اور کھانا پکانے اور مسلمان بھائیوں کو اس کی دعوت دینے کو مکروہ نہیں کہا، (اور کھانا پکانا اور اپنے مسلمان بھائیوں کو اس کی دعوت دینا ان کی نظروں میں بھی مکروہ نہیں ہے۔ اس پر اگر نظرِ تحقیق ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ قول، ان کے پہلے کلام کے مطابق نہیں ہے۔ اس لئے کہ اُنہوں نے پہلے تو ربیع الاوّل شریف میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے، زیادہ سے زیادہ عبادت، خیرات اور دیگر امورِ خیر سرانجام دینے کی تلقین کی ہے کہ اس نے ماہِ مقدس میں اپنے حبیب سید المرسلین ﷺ کو پیدا فرمایا میلاد شریف کی نیت سے یہی تو مراد ہے۔ پہلے ایک پر زور دے کر پھر اس کی مذمت کیسے کی جاسکتی ہے؟ بلکہ مجرد نیکی و عبادت و خیرات وغیرہ اور دیگر امورِ خیر، بغیر نیت کے، تو دراصل تصور بھی نہیں کئے جاسکتے اور اگر تصور بھی کر لئے جائیں تو یہ عبادت نہیں ہوسکتے اور نہ ہی ان سے ثواب ملتا ہے۔

اس لئے کہ کوئی عمل بغیر نیت کے (قابل قبول) نہیں اور میلاد شریف میں نیت تو ربیع الاول شریف میں حضور نبی کریم ﷺ کی ولادتِ باسعادت پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانے کی ہی ہوتی ہے۔ میلاد شریف کی نیت سے یہی مراد ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ نیت مستحسنہ (یعنی نیک نیت) ہے۔ اس پر اچھی طرح سے غور کرو اور اسے خوب ذہن نشین کرلو۔

میلاد شریف کی ایک انوکھی صورت:

اس کے بعد ابن الحاج کہتے ہیں کہ بعض لوگ ایسے ہیں جو میلاد کو مجرد تعظیم کے لئے نہیں کرتے، بلکہ کسی شخص کے مختلف لوگوں کے پاس روپے پیسے بکھرے ہوتے ہیں۔ (یہ محض مبالغہ آرائی ہے کم از کم ہمارے دیکھنے میں ایسا کوئی شخص نہیں آیا کہ جس نے اس مقصد کے لئے میلاد کردیا ہو کہ وہ لوگوں کے پاس اپنی متفرق رقم اکٹھا کرے) (مترجم عفی عنہ)۔ جو اس نے بعض مواقع اور تقریبات پر انہیں دے رکھے ہوتے ہیں اور وہ یہ چاہتا ہے کہ اُنہیں واپس حاصل کرلے مگر مانگنے سے شرماتا ہے چنانچہ وہ میلاد کا اہتمام کرتا ہے یہی لوگوں کے پاس اس کے جمع شدہ مال کی بازیابی کا سبب بن جاتی ہے۔ اس میں کئی طرح کی خرابیاں پائی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں نفاق پایا جاتا ہے۔ جو کچھ وہ ظاہر کرتا ہے، دل میں اس کے خلاف موجود ہوتا ہے ظاہر یہ کرتا ہے کہ وہ میلاد اس لئے کر رہا ہے کہ اس سے آخرت کی بھلائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اور دل میں یہ ہوتا ہے کہ اس کے جو روپے پیسے لوگوں کے پاس متفرق ہیں انہیں واپس حاصل کرلے۔ بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو میلاد اس لئے کراتے ہیں کہ لوگوں سے پیسے بٹوریں یا لوگ ان کی تعریف وستائش کریں کہ واہ بھئی واہ! کتنا اچھا کام کیا، اور اس کے ساتھ مل جُل کر کام کریں جس سے یہ ظاہر ہو کہ کتنے لوگ اس کے ساتھ ہیں، اس صورت میں بھی جو مفاسد اور خرابیاں موجود ہیں، پوشیدہ نہیں۔

قباحت کا اصلی سبب:

ابن الحاج کی یہ تنقید بھی اس قسم کی ہے جس کا جائزہ اوپر لیا جاچکا ہے۔ اس میں جو خرابی یا مذمت موجود ہے۔ وہ عدم نیت صالحہ (یعنی صالح نیت نہ ہونے کی بنا پر ہے) نہ یہ کہ اصل میلاد

شریف میں کوئی خرابی یا مذمت کا پہلو پایا جاتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن حجر کا مؤقف:

شیخ الاسلام حافظ العصر ابوالفضل احمد بن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے میلاد شریف کے بارے میں پوچھا گیا تو اُنہوں نے جو جواب دیا وہ یہ ہے کہ

''میلاد شریف دراصل بدعت ہے جو قرونِ ثلاثہ میں کسی سلف صالح سے منقول نہیں، تاہم ان میں محاسن اور قبائح دونوں پائے جاتے ہیں (یعنی بعض محاسن پائے جاتے ہیں اور بعض قبائح) اگر میلاد شریف میں صرف محاسن ہی کا ارتکاب کیا جائے اور قبائح سے اجتناب برتا جائے تو یہ بدعت حسنہ ہے ورنہ نہیں''۔

میلاد شریف کی اصل:

فرماتے ہیں: کہ مجھے اس کی ایک مضبوط اصل، صحیح بخاری و مسلم شریف میں ملی ہے۔ وہ یہ کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو یہودیوں کو دیکھا کہ وہ عاشورہ کے روزہ رکھتے ہیں ان سے پوچھا کہ تم کیوں ایسا کرتے ہو؟ اُنہوں نے کہا کہ یہ وہ دن ہے جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کو نجات عطا فرمائی تھی۔ لہٰذا ہم اللہ تعالیٰ کے شکر کے طور پر یہ روزہ رکھتے ہیں۔ (حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے یہودِ مدینہ کا یہ بیان سُن کر فرمایا: ''ہم موسیٰ علیہ السلام کے تم سے زیادہ قریب ہیں اور ان کی اتباع کا ہم تمہاری نسبت زیادہ حق رکھتے ہیں، یہ کہہ کر آپ نے بھی یومِ عاشورہ کو روزہ رکھنے کا حکم دیا)۔ اس سے کسی خاص دن، جس میں کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی نعمت عطا فرمائی ہو یا کوئی نقمت (مصیبت) دور کی ہو۔ اس کا شکر ادا کرنا اور اس سلسلے میں کسی نیک کام کرنے اور ہر سال اسے یادگار کے طور پر منانے کا ثبوت ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے شکر کا اظہار، مختلف قسم کی عبادتوں، سجود وقیام، صدقہ وخیرات اور تلاوت قرآن مجید سے ہوتا ہے۔ اس روز (یعنی ۱۲/ربیع الاوّل کو) نبی رحمت ﷺ کے ظہور سے بڑی اور کون سی نعمت ہو سکتی ہے؟۔ اسلئے چاہئے کہ اس دِن کو خاص طور پر منایا جائے تا کہ اسکی عاشورہ کے دِن، موسیٰ علیہ السلام

واقعہ سے مطابقت پیدا ہو جائے۔ بعض لوگ اسے ملحوظ نہیں رکھتے اور ربیع الاول کے کسی دن میلاد شریف کر لیتے ہیں۔ بلکہ بعض لوگوں نے تو اس میں بھی توسیع کی ہے اور اس کا دائرہ کار سال تک بڑھا دیا ہے۔ ان کے نزدیک سال کے کسی بھی دن میلاد شریف کیا جا سکتا ہے، مقصد اس کا بھی وہی ہوتا ہے (یعنی حضور ﷺ کی ولادت طیبہ کی خوشی منانا) یہ گفتگو تو اصل میلاد سے متعلق تھی۔

خلاف اولیٰ چیزوں کا ترک بہتر ہے:

جہاں تک ان اعمال کا تعلق ہے جو میلاد شریف میں کئے جاتے ہیں۔ تو چاہئے کہ اس میں صرف ان اُمور پر اکتفا کیا جائے، جن سے اللہ تعالیٰ کے شکر کا بجا طور پر اظہور ہو۔ مثلاً مذکورہ بالا اُمور، تلاوتِ قرآن مجید، دعوتِ طعام، صدقہ وخیرات، نعت سرور کونین ﷺ اور ایسے اشعار پڑھنا جن سے دل زہد وعبادت کی طرف مائل ہو اور امور خیر کی سرانجام اور آخرت کے لئے عمل کرنے کی تحریک ہو اور وہ باتیں جو از قبیل سماع اور لہو وسُرود وغیرہ کی جاتی ہیں ان سے اجتناب کیا جائے اور ایسی چیزیں جن سے اس دن خوشی کا اظہار ہوتا ہو، ایسی چیزیں کرنے میں کوئی قباحت نہیں اور جو چیزیں از قبیل حرام ومکروہ ہوں، ان سے احتراز کیا جائے ایسے ہی جو چیزیں خلاف اولیٰ ہوں اور غیر مناسب ہوں، ان کو بھی ترک کر دیا جائے۔

میلاد شریف کی ایک اور اصل از علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ:

میں کہتا ہوں کہ مجھے بھی میلاد شریف کی ایک اور اصل حدیث شریف میں ملی ہے وہ یہ کہ بیہقی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے نبوت کے بعد اپنا عقیقہ کیا۔ جب کہ حضور کے دادا عبد المطلب نے ولادت کے ساتویں روز آپ کا عقیقہ کر دیا تھا اور عقیقہ ایک ہی بار کیا جاتا ہے۔ دوسری بار نہیں کیا جاتا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضور ﷺ نے ایسا اظہارِ تشکر کے طور پر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں رحمۃ للعالمین بنا کر پیدا فرمایا، اور اس سے اُمت کے لئے شرعی مثال قائم فرمانا بھی مقصود تھی۔ جیسا کہ حضور سید عالم ﷺ خود بھی اپنے اوپر درود شریف پڑھا کرتے تھے تا کہ اس کو اُمت کے لئے شرعی اُصول بنا دیں۔ لہٰذا ہمارے لئے مستحب

ہے کہ ہم میلاد شریف منعقد کر کے حضور ﷺ کی ولادت پر اظہار شکر کریں جس میں دعوتِ طعام ہو اور اس طرح کے دیگر اُمور خیر سرانجام دیئے جائیں اور خوشیاں منائی جائیں۔

ابن الجزری کی ایمان افروز دلیل:

امام القراء حافظ شمس الدین ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''عرف التعریف بالمولد الشریف'' میری نظر سے گزری ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ

''ابولہب کو موت کے بعد خواب میں کسی نے دیکھا اور اس سے پوچھا کہ تیرا کیا حال ہے؟ کہنے لگا: عذاب ہو رہا ہے مگر شب دوشنبہ (یعنی پیر کی رات کو) میرے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے اور میں اپنی اُنگلی سے پانی چوس لیتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے اس اُنگلی کی طرف اشارہ کیا۔ کیونکہ میں نے اس کے اشارے سے اپنی لونڈی ثویبہ کو، جب اس نے مجھے نبی اکرم ﷺ کی ولادت کی خوشخبری دی تھی، آزاد کر دیا تھا اور اس نے حضور ﷺ کو دودھ پلانے کی سعادت حاصل کی تھی غور کیجئے کہ اگر ابولہب کو جو کہ کافر ہے اور جس کی مذمت قرآن مجید میں بھی آئی ہے نبی اکرم ﷺ کی ولادت طیبہ کی خوشی کرنے کی جزا دی گئی تو اس مخلص اور موحد مسلمان کا کیا حال ہوگا۔ جو حضور ﷺ کی اُمت سے ہے اور آپ کی ولادت کی خوشی کرتا ہے۔ اور حضور ﷺ کی محبت سے سرشار ہو کر حتی المقدور خرچ بھی کرتا ہے۔ مجھے اپنی زندگی کی قسم! اُسے اللہ کریم کی طرف سے یہی جزا ملے گی کہ وہ اسے اپنے فضل وکرم سے جنت النعیم میں داخل فرمائے گا۔

دمشقی کی روح پرور نعت میلاد:

حافظ شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''مورد الصادی فی مولد الهادی'' میں لکھا ہے۔

یہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ابولہب پر پیر کے دن عذاب کی تخفیف کی جاتی ہے کیونکہ اس نے نبی اکرم ﷺ کی میلاد شریف کی خوشی میں ثویبہ کو آزاد کیا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے یہ شعر کہے ہیں۔

اِذَا کَانَ ھٰذَا کَافِرًا جَاءَ ذَمُّهٗ
تَبَّتْ یَدَاهُ فِی الْجَحِیْمِ مُخَلَّدًا

جبکہ یہ کافر تھا، جس کی مذمت کتاب اللہ میں آئی ہے کہ ٹوٹ گئے اس کے دونوں ہاتھ اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

اَتٰی اَنَّهٗ فِیْ یَوْمِ الْاِثْنَیْنِ دَائِمًا
یُخَفَّفُ عَنْهُ لِلسُّرُوْرِ بِاَحْمَدَا

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہر پیر کے دن اس سے عذاب میں تخفیف کی جاتی ہے کہ اس نے حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی کی تھی۔

فَمَا الظَّنُّ بِالْعَبْدِ الَّذِیْ طُوْلَ عُمْرِهٖ
بِاَحْمَدَ مَسْرُوْرًا وَمَاتَ مُوَحِّدًا

تو کیا خیال ہے اس بندۂ مومن کے بارے میں جو حضور ﷺ کی ولادت کی خوشیاں مناتا رہا اور توحید (وایمان) کی حالت میں جان، جانِ آفریں کے سپرد کردی۔

ایک اور شیخ طریقت کا عمل:

حضرت کمال اذفری رحمۃ اللہ علیہ الطالع السعید میں فرماتے ہیں کہ ہم سے ہمارے ثقہ دوست ناصر الدین محمود بن العماد رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ ابو الطیب محمد بن ابراہیم سبتی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نزیل قوس جو علماء عمل سے تھے۔ نبی اکرم ﷺ کے یومِ ولادت (۱۲ ربیع الاول) کو مدرسے کے پاس سے گذرتے اور کہا کرتے اے فقیہ! یہ روزِ عید ہے بچوں کو چھٹی کردو اور اپنے گھر واپس بھیج دو۔ تو وہ ہمیں چھٹی کر کے گھروں کو واپس بھیج دیتے یہ ان کی تقریر اور عدم انکار کی دلیل ہے۔ اور یہ صاحب مذہب امام مالک کے نامور فقیہ اور کئی علوم میں صاحب فن، متقی اور متورع بزرگ تھے۔ ان سے ابوحیان وغیرہ نے اخذ کیا ہے۔ وفات ان کی ۶۹۵ھ میں ہوئی۔

فائدہ:

ابن الحاج نے لکھا ہے کہ

"اگر یہ کہا جائے کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ حضور کریم ﷺ کی ولادت ماہ ربیع الاوّل اور پیر کے روز ہوئی۔ اور رمضان شریف میں نہیں ہوئی جو قرآن کے نزول کا مہینہ ہے اور جس میں لیلۃ القدر پائی جاتی ہے، نہ حرمت والے مہینوں (اشھر حرم) میں۔ نہ ہی پندرہ شعبان المعظم کی رات کو، نہ ہی جمعہ کے دن یا شب جمعہ کو۔ اس کا جواب چار وجوہ سے دیا جاسکتا ہے۔

ایک یہ کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے درختوں کو پیر کے دن تخلیق فرمایا۔ اس میں بہت بڑی تنبیہ ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں خوراک، رزق، میوہ جات اور خیرات کی چیزیں تخلیق فرمائی ہیں جن سے بنی نوع انسان کی نشو ونما اور گزران وابستہ ہے۔ جس سے ان کے نفوس خوش ہوتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ ربیع کے لفظ میں اس کے اشتقاق کی نسبت سے ایک اچھا اشارہ اور نیک فال پائی جاتی ہے۔ ابو عبد الرحمٰن صقلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر ایک انسان کے لئے اس کے نام سے اس کا حصہ ہے۔ جس کا اس کے بدن پر اثر پڑے گا۔

تیسرے یہ کہ ربیع (یعنی بہار) کا موسم، سب موسموں سے معتدل اور حسین ہوتا ہے۔ اور حضور ﷺ کی شریعت بھی سب شریعتوں سے زیادہ معتدل اور آسان ہے۔

چوتھے یہ کہ اللہ حکیم وعلیم نے چاہا کہ اس وقت کو خصوصی مشرف فرمائے جس میں آپ اس دنیا میں تشریف لائے۔ اگر حضور ﷺ مذکورہ بالا اوقات فاضلہ میں پیدا ہوتے تو یہ وہم ہوسکتا تھا کہ حضور کی فضیلت ان اوقات کی وجہ سے ہے۔

وہابیوں کی طرف سے حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کی تکفیر محمد بن عبد الوہاب نجدی کی اولاد میں سے ایک وہابی نجدی علامہ شیخ عبد الرحمٰن بن حسن آل شیخ نے حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ "ابن عربی تو وہ شخص ہے جو وحدۃ الوجود کا عقیدہ رکھنے والوں کا امام تھا کرہ ارض پر سب سے زیادہ کافر یہی لوگ ہیں"۔ (قرۃ عیون الموحدین، صفحہ ۲۸۳، جلد ۱، مطبوعہ انصار السنۃ المحمدیہ، کلیا رروڈ، نواں کوٹ، لاہور)

احوال امت

محمد سعید احمد بدر قادری المعروف بہ سعید بدر

اے خدائے ذوالجلال! جلوے ترے ہیں چار سو
ہر زباں پر ہے رواں، دن رات ذکر اللہ ہو

عاصی و خاطی ہیں ہم، کچھ بھی سہی رب کریم!
نام لیتے ترا، حاضر ہیں تیرے روبرو

آج کل ہے پوری امت، درد و غم میں مبتلا
خون مسلم سے ہے رنگیں، یہ جہان رنگ و بو

چار سو ارزاں ہوا ہے اہل ایمان کا لہو
ایک محشر ہے بپا، قریہ بہ قریہ، کو بہ کو

نام لیوا آپ کے ہیں ہر جگہ زیر عتاب
قاہر و غالب ہوئے ہیں اہل ایماں پر عدو

دست بستہ آپ کی خدمت میں ہے یہ عرض غم
لٹ نہ جائے آپ سے وابستگاں کی آبرو

ہے گلستان نبی پر چھا گئی، افسردگی
ہے دعائے بدر یا رب! مرحمت فرما نمو